کلیسہ کا نظام تعلیم اور دینی مدارس

کلیسا کا نظام تعلیم

اور

دینی مدارس

یہ اس زمانے کی بات ہے جب اندلس میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور پورا اسپین اہل صلیب کے دست نگر میں آچکا تھا فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی حکمرانی اور پادری زیمینیس نے مسلمانوں کو جس طرح اذیتیں پہنچائیں وہ اہل صلیب کے ماتھے پر ہمیشہ کلنک کا ٹیکہ بن کر چمکتا رہے گا۔

آج ملکہ ازابیلا اور فرڈی نینڈ کے درمیان پھر بحث ہو رہی تھی کہ ہم نے سات سال قبل غرناطہ پر صلیب کے پرچم نصب کئے تھے لیکن میں آج گورنر مینڈوزا اور فادر تلاویرہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس شہر میں اب تک کتنے مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا ہے، کتنے گرجے اور خانقاہیں تعمیر ہوئی ہیں؟ اور کیا ان لوگوں کو عیسائیت کے دامن میں پناہ دینا اور جہنم کی آگ سے بچانا ہماری اولین ذمہ داری نہیں؟

آپ کو معلوم ہے کہ پادری زیمینیس کتنے ناراض ہو رہے ہیں۔

فرڈی نینڈ نے جواب دیا۔ ملکہ عالیہ! میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوں مگر آپ کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے صرف طاقت کی ضرورت تھی لیکن انہیں عیسائی بنانے کے لئے حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے۔ ان کی شہہ رگ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے مگر ان کے دل مسخر کرنے کے لئے ہمیں صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑے گا۔

اسی دوران زیمینیس کمرے میں داخل ہوا تو ملکہ نے مسند سے اتر کر اس کا استقبال کیا اور دوزانو ہو کر اس کی قبا کو بوسہ دیتے ہوئے بولی مقدس باپ! تشریف رکھئے!

زیمینیس نے بے پروائی سے فرڈی عینڈ کی جانب دیکھا اور گورنر مینڈوزا کے دائیں ہاتھ خالی کسی پر بیٹھ گیا ملکہ دوبارہ مسند پر آبیٹھی چند ثانیے کمرے میں خاموشی چھائی رہی بالآخر فرڈی عینڈ نے کہا مقدس باپ! ملکہ عالیہ کو یہ شکایت ہے کہ آپ غرناطہ کے گورنر بشپ تلاویرہ کی کارگزاری سے مطمئن نہیں ہیں۔

پادری زیمینیس نے جواب دیا عالیجاہ! مجھے غرناطہ کے گورنر کے کاموں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں لیکن میرے معزز بھائی تلاویرہ کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں اور کلیسا کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں کسی معاملے میں کوئی مشورہ دینا چاہوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گے۔

بشپ تلاویرہ نے جواب دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کلیسا کی بھلائی کے لئے کوئی نیک مشورہ دیں اور میں اس پر عمل نہ کروں؟

زیمینیس نے فرڈینینڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا عالی جاہ! میں یہاں بہت بڑی امیدیں لے کر آیا تھا لیکن غرناطہ کے حالات دیکھ کر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کلیسا نے آپ کی عظیم فتح کے ساتھ جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھیں۔ اگر آپ غرناطہ میں مسلمانوں کی مساجد اور کتب خانے دیکھیں تو آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ یہ شہر بھی آپ کی سلطنت کا حصہ ہے ان کی رسومات ان کی زبان اور رہن سہن کے طریقوں میں رتی بھر تبدیلی نہیں آئی ان کے لباس دیکھ کر آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ وہ اب بھی غرناطہ کے حکمران ہیں حکومت کی ناز برداری نے انہیں اس قدر مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے پادری کے سامنے بھی دوزانو ہونا پسند

نہیں کرتے فادر تلاویرہ کی شکایت نہیں کرتا کہ ان کا طرز عمل وہی ہوسکتا ہے جو حکومت کو پسند ہو لیکن عیسائیت کے ان باغیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں کہ ان کی ناز برداری کی جائے اور ان کے ساتھ بحث کرنے کے لئے عیسائیت کے مبلغین کو عربی زبان سیکھنے کی ترغیب دی جائے مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا کہ فادر تلاویرہ نے جن پر ہر معاملے میں کلیسا کی برتری ثابت کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے اس بڑھاپے میں عربی زبان سیکھی ہے تاکہ وہ مسلمان علماء کے ساتھ بحث کرسکیں میں عیسائیت کے معاملے میں ان لوگوں کو بحث کی دعوت دینا ایک گناہ سمجھتا ہوں۔ جس طرح آپ نے یہودیوں کے لئے یہ حالات پیدا کئے کہ یا تو عیسائیت قبول کرلو یا اسپین چھوڑ دو ایسے ہی حالات مسلمانوں کے لئے بھی ہونے چاہیے۔

فرڈینینڈ نے ملکہ کی طرف دیکھا اس کی نگاہیں زیمینیس کی تائید کررہی تھیں پھر قدرے توقف کے بعد وہ زیمینیس سے مخاطب ہوا گویا آپ کو یہ بھی شکایت ہے کہ ہم نے یہودیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی جبراً عیسائی کیوں نہیں بنایا لیکن آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسپین کے یہودی غیر مشروط طور پر ہماری رعایا تھے لیکن جن مسلمانوں کی سلطنتوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے ان کے ساتھ ہمارے اور اسپین کے سابق حکمرانوں کے تحریری معاہدے موجود ہیں ان معاہدوں میں اس بات کا حلفیہ وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جو حقوق اور مراعات دی گئی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور ان میں سے بعض معاہدے تو ایسے بھی تھے جن کی توثیق پاپائے روم سے کرائی گئی تھی اور ان پر کسی بشپ کو بھی اعتراض نہ تھا اب آپ ہمیں یہ مشورہ نہیں

دے سکتے کہ ہم اپنے حلف سے منحرف ہوجائیں اور اگر آپ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مستقبل کا مورخ ہمارے متعلق کیا کہیں گے تو بھی آپ کو اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ یہ بدعہدی مسلمانوں کے لئے نا قابل برداشت ہوگی۔ یہ قوم جس نے آٹھ سو سال اس ملک میں حکومت کی ہے یہودیوں سے بہت مختلف ہے زخمی درندے کا آخری حملہ خطرناک ہوتا ہے انہیں عیسائی بنانے کے لئے میں آپ سے کم بے چین نہیں ہوں لیکن زخمی شیر کی کھال اتارنے سے پہلے آپ کو اس کا جسم ٹھنڈا کرنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

زیمینیس نے کہا عالیجاہ! جو قوم زندہ رہنے کے لئے ہماری غلامی قبول کرسکتی ہے وہ موت سے بچنے کے لئے ہمارا دین بھی قبول کرسکتی ہے آپ نے معاہدے کی شرائط کا ذکر کیا ہے لیکن میں صرف یہ جانتا ہوں کہ غلامی ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو معاہدے طے پاجاتے ہیں ان کا مفہوم وہی ہوتا ہے جسے بادشاہ درست تسلیم کرتا ہو جہاں تک آپ کے حلفیہ اقرار کا تعلق ہے پاپائے روم کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ کلیسا کی بہتری کے لئے آپ کو ہر ایسے حلف کی پابندی سے آزاد کردے جو آپ کو دین مسیح کی خدمت سے روکتا ہو۔

فرڈی نینڈ نے بیزار ہو کر کہا میں ایسے لوگوں کو کیسے سمجھا سکتا ہوں جو سمندر میں تیرنے کے بجائے پانی کی سطح پر دوڑنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلمان یہودی نہیں ہیں ان کی پشت پر وہ سلطنتیں موجود ہیں جو اسپین سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں، ہم نے تو ان سے غرناطہ کی سلطنت ہی چھینی ہے، ترک ہمارا نصف یورپ

ہڑپ کر چکے ہیں ہماری سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ ہم نے یہاں ایسے حالات پیدا نہیں ہونے دیئے جن سے باہر کے مسلمانوں کو مداخلت کا موقع ملتا۔

مقدس باپ!

ہم نے غرناطہ اپنی فوج کے بل بوتے پر فتح نہیں کیا ہم نے غرناطہ کے ان غداروں کو تلاش کرلیا تھا جنہوں نے غرناطہ کی کنجیاں ہمارے قدموں میں لاکر ڈھیر کردی تھیں اگر ہم ہزار سال تک بھی ان سے لڑتے رہتے تو کبھی فتح نہ پا سکتے تھے۔

لہذا آپ کچھ انتظار کیجئے ہر کام اپنے وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔

زیمینیس نے لاجواب ہوکر کہا علیجاہ اگر میں آپ کے تدبر کی تعریف نہ کروں تو یہ ناشکر گزاری ہوگی۔لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عیسائیت کی تبلیغ کے کام کو اور زیادہ مؤثر بنانے کی ضرورت ہے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مسلمانوں کو مشتعل کرکے آپ کے لئے کوئی الجھن پیدا کریں لیکن اگر ہم انہیں یہ احساس دلاسکیں کہ اب اپنا مستقبل اسلام کے بجائے عیسائیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ان کا فائدہ ہے تو ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

فرڈی نینڈ نے کہا اگر آپ فادر تلاویرہ کو کوئی مفید مشورہ دے سکیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

عالیجاہ!اس نیک کام میں فادر تلاویرہ کے ایک معاون کی حیثیت سے میں کچھ عرصہ یہیں رہنا چاہتا ہوں فرڈینینڈ نے کہا میں آپ کی یہ خواہش رد نہیں کرسکتا مگر آپ مجھ

سے وعدہ کریں کہ آپ جلد بازی سے کام لے کر میرے لئے ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے کہ مجھے فوج کے ساتھ یہاں آنا پڑے۔

عالیجاہ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا زیمینیس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

چند دنوں تک زیمینیس نے کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے متعلق اس کے ارادے کیا ہیں وہ بظاہر ٹھنڈے دل سے گردو پیش کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا لیکن جب فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے غرناطہ سے اشبیلیہ کی طرف کوچ کیا تو اس نے بشپ تلاویرہ کی طرف سے مسلمان علماء اور فقہاء کو یہ دعوت دی کہ ہمارے ایک قابل احترام بزرگ ''فرانسکوز یمینیس ڈیسنیروز'' آپ کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ پرسوں صبح ہوتے ہی ان کی قیام گاہ پر جمع ہو جائیں۔

چنانچہ تیسرے دن بزرگانِ دین زیمینیس کی قیام گاہ کے کشادہ صحن میں سائبان کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔ تلاویرہ نے باری باری ان کا تعارف کروایا اور زیمینیس نے ان کا خیر مقدم کرنے کے بعد بحث شروع کر دی۔

اہل غرناطہ تلاویرہ کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کرنے کے عادی تھے لیکن زیمینیس کی گفتگو نے انہیں جلد ہی یہ احساس دلا دیا کہ وہ کسی اور ہی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دین اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا اور اس کی زبان سے آگ برس رہی تھی۔ عمر رسیدہ علماء کبھی اس کی یادہ گوئی پر پیچ و تاب کھاتے، کبھی اس کے بھونڈے انداز پر مسکرانے کی کوشش کرتے اور کبھی نفرت

سے منہ پھیر لیتے ،لیکن کسی نے اس کے ساتھ بحث میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔حاضرین میں سے اکثر ایسے تھے جو طلیطلہ کی زبان بہت کم جانتے تھے تاہم اس کی گالیاں اور دھمکیاں کسی کی سمجھ سے بالا نہ تھیں۔زیمینیس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد نڈھال ہو کر بیٹھ گیا اور فاتحانہ نگاہوں سے حاضرین کی طرف دیکھنے لگا

۔

چند منٹ محفل پر سناٹا طاری رہا۔پھر آہستہ آہستہ گنگ زبانیں ہلنے لگیں اور ایک دوسرے کو بے حسی اور بے غیرتی کے طعنے دینے لگے۔تلاویرہ نے آگے بڑھ کر زیمینیس کے کان میں کچھ کہا اور وہ تلملا کر بلند آواز میں چلّایا نہیں! میں اپنی زبان میں ہی بات کروں گا اور جو لوگ ہماری زبان نہیں جانتے ان کے لئے اسپین میں کوئی جگہ نہیں۔

ایک خوبرو نوجوان جو اپنے رنگ اور خدوخال سے ہسپانوی معلوم ہوتا تھا تڑپ کر اٹھا اور اس نے طلیطلہ کی زبان میں تقریر شروع کردی۔اس شعلہ بیان خطیب کا نام زاغیری تھا اور زیمینیس اس کی تقریر سن کر آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔اس نے کئی بار اس کو ٹوکنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز اسلام کے اس پرجوش مبلغ کی آواز میں دب کر رہ گئی۔

جب اس کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو زیمینیس دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے چلایا تم ایک ایسے مذہب کی وکالت کررہے ہو جس کے لئے اندلس میں کوئی جگہ نہیں عیسائیت کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم فاتح ہیں اور تمہارا دین

تمہیں ہماری غلامی سے نہیں بچا سکا۔

زاغیری نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا ہمیں اسلام سے انحراف کی سزا ملی ہے ہم نے سلامتی کا راستہ چھوڑ دیا تھا جب ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلتے تھے تو اس خطۂ زمین پر انسانیت کی ساری عظمتیں ہمارے قدموں میں تھیں ہماری آزادی اور خوشحالی کی داستانیں اندلس کے کونے کونے میں بکھری ہوئی ہیں لیکن ہم اپنے خالق کے نافرمان بن گئے تو وقت کی آندھیوں نے ہمیں گھیر لیا اپنی عظیم سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہماری سزا شروع ہو چکی تھی ہم نے شہادت کی موت پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دی اور آج ہماری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ہم گالیاں دینے والوں کے سامنے احتجاج کا حق بھی نہیں رکھتے۔

زیمینیس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا میں ایک جذباتی نوجون کے ساتھ بحث میں الجھنا پسند نہیں کرتا تم تھوڑی دیر صبر کرو تمہارے ساتھیوں سے فارغ ہو کر میں اطمینان سے تمہارے ساتھ گفتگو کر سکوں گا۔

ایک قاضی نے اٹھ کر کہا جناب! اگر آپ کو اس نوجوان کی باتوں سے رنج ہوا ہے تو ہم سب کی طرف سے معذرت قبول فرمایئے آئندہ ہم آپ کی خدمت میں پیش ہونے والے علماء کے انتخاب میں زیادہ احتیاط سے کام لیں گے ہمارا خیال تھا کہ زاغیری بحث میں حصہ لینے کے بجائے خاموشی سے آپ کے ارشادات سنے گا۔

زاغیری نے جواب دیا آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔

زیمینیس نے اس تندرست اور توانا جوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور ایک عالم نے اس کا بازو کھینچ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے دبی زبان میں کہا خدا کے لئے خاموش رہو! یہ ایک درندہ ہے اور درندوں کے ساتھ بحث نہیں کی جاتی۔

زیمینیس نے دوبارہ گفتگو شروع کی تو اس کے لب و لہجے میں کافی ملائمت آچکی تھی اور غرناطہ کے علماء اس بات سے خوش نظر آتے تھے کہ ان کے ایک نوعمر ساتھی نے جرأت سے کام لے کر ایک متعصّب پادری کا دماغ درست کر دیا ہے لیکن جب مجلس برخاست ہوئی تو زیمینیس نے ایک دیوہیکل سپاہی کا اشارہ کیا اور اس نے زاغیری کو روک لیا۔

زاغیری نے کترا کر باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن اس نے اس کا بازو پکڑ کر کہا ''تم مقدس باپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے'' بعض ساتھیوں نے زیمینیس سے اس کی سفارش کی لیکن اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر وہ سب باہر نکل گئے۔

زیمینیس نے زاغیری کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لئے جس درندہ صفت آدمی کو منتخب کیا اس کا نام لیون تھا اور وہ اذیت رسانی کے ان تمام طریقوں سے واقف تھا جو محکمہ احتساب کے جلادوں نے ایجاد کئے تھے۔ اور پھر کلیسا کا عقوبت خانہ زاغیری کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔

زیمینیس کے نزدیک مسلمانوں کے علمی ذخیرے عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اور یہ ایک ایسا ورثہ تھا جن پر مسلمان ناز کر سکتے تھے قدیم سرکاری کتب خانے اور درسگاہیں نایاب کتابوں سے بھری ہوئی تھیں اور غرناطہ کا معمولی آدمی بھی

اس بات پر فخر کرسکتا تھا کہ اس کے گھر میں قرآن پاک کے علاوہ مختلف علوم پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

زیمینیس قرآن پاک کی طرح عربی زبان کی ہر کتابوں کو عیسائی مستقبل کے لئے خطرناک سمجھتا تھا، چنانچہ اس نے کتابوں کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کرنے کے لئے سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف توجہ دی جنہیں جبراً عیسائی بنایا گیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ عربی کی ہر کتاب کلیسا کے سپرد کر دیں چنانچہ جس مجبوری نے ان بدقسمت لوگوں کو مرتد ہونے پر مجبور کر دیا تھا اسی مجبوری کے تحت انہیں زیمینیس کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی پڑی۔

پھر جو کتابیں ان سے دستیاب ہوئیں انہیں ایک چوراہے میں جمع کر کے آگ لگا دی گئی ان واقعات کے بعد زیمینیس کی جرأت بڑھ گئی۔

چنانچہ جب زیمینیس نے جبراً عیسائی بنائے گئے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ان کے گھروں کی تلاشی لینا شروع کی تو فوج اور پولیس کو کلیسا کے پادریوں کی اعانت کے لئے میدان میں آنا پڑا۔ پہلے ڈھنڈورچی کسی محلے میں یہ اعلان کرتے تھے کہ لوگ رضا کارانہ طور پر اپنی کتابیں کلیسا کے پاس جمع کرا دیں صرف قابل اعتراض کتابیں چھین لی جائیں گی فلاں تاریخ کے بعد ان کی تلاشی لی جائے گی اور اگر کسی نے کلیسا کی اجازت کے بغیر کوئی کتاب رکھی تو اسے عبرتناک سزا دی جائے گی۔

لوگوں نے ہزاروں کتابیں رضا کارانہ طور پر کلیسا کے راہبوں کے حوالے کر دیں اس کے بعد ہزاروں کتابیں ان سے زبردستی چھین لی گئیں۔ جب یہ راہب مسلح آدمیوں

کے ساتھ کسی گھر میں داخل ہوتے تھے تو مسلمان سب سے پہلے قرآن مجید کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن یہی وہ کتاب تھی جسے زیمینیس سب سے زیادہ قابل اعتراض سمجھتا تھا۔

مسلمان احتجاج کرتے لیکن یہ احتجاج بھی عورتوں کی چیخوں اور مردوں کے آنسوؤں تک محدود رہتا۔ قرآن مجید کے جو نسخے فرزندان تثلیث کے ہاتھ آتے انھیں بیل گاڑیوں پر لاد کر ایک کشادہ عمارت میں پہنچا دیا جاتا جو پہلے مسلمانوں کی درسگاہ تھی اور اب کلیسا کے اس دفتر میں تبدیل ہو چکی تھی جہاں سینکڑوں پادریوں کو ان کتابوں کی چھان بین میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

زیمینیس بذاتِ خود اس کام کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ قرآن پاک کو عام کتب سے علیحدہ کرنا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ پادری کسی کتاب کو کھول کر دیکھنے یا پڑھنے کے بجائے دور سے اس کا صاف ستھرا غلاف دیکھ کر ہی یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ قرآن ہے اور اسے ایک طرف پھینک دیا جاتا تھا باقی کتابوں کے متعلق بھی انھیں کسی چھان بین کی ضرورت نہ تھی۔

ان کے نزدیک عربی خالصتاً مسلمانوں کی زبان تھی اور عربی کی ہر کتاب قابل اعتراض سمجھی جاتی تھی۔

ہر روز طلوع سحر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کتابوں سے بھرے ہوئے چھکڑے اس جگہ لائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کشادہ عمارت کے کمروں کے علاوہ صحن میں بھی انبار لگ چکے تھے۔

اور پھر ایک دن لوگوں نے دیکھا شہر کے ایک کشادہ چوراہے پر ایک مہیب الاؤ روشن ہو گیا تھا۔قرآن پاک اور دوسری کتابوں سے لدے پھندے چھکڑے یکے بعد دیگرے نمودار ہو رہے تھے اور وہ اپنا یہ سامان الاؤ کے قریب لالا کر ڈھیر کر رہے تھے۔اور آخر میں وہ پادری آگے بڑھے جن کی حفاظت کے لئے مسلح سپاہی صفیں باندھے کھڑے تھے وہ ان ڈھیروں کو اٹھا اٹھا کر اس آگ کا پیٹ بھرنے لگے۔

مسلمان جنہیں گھروں سے نکلنے کی اجازت نہ تھی اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے یہ دلگداز مناظر دیکھ رہے تھے۔دخترانِ اسلام اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ان کے شوہر اور بھائی رو رہے تھے لیکن بے بسی کے آنسو اس آگ کو نہ بجھا سکے آٹھ صدیوں کے تہذیب وتمدن کی یہ چِتا مسلسل دو دن جلتی رہی۔

تیسرے روز ایندھن کے ذخائر جو کئی ہفتوں کی محنت سے جمع کئے گئے تھے ختم ہو چکے تھے اور آگ جلانے والے پادری اور مسلح سپاہی اپنا کام ختم کر کے واپس چلے گئے تو پہلے آس پاس کے مسلمان اپنے گھروں سے باہر نکلے اور پھر شام تک غرناطہ کے باقی علاقوں کے باشندے بھی وہاں جمع ہو چکے تھے وہ بجھی ہوئی راکھ اٹھا اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

ایک نوجوان چلّایا ''مسلمانو! یہ ظلم ووحشت کے اس دور کی ابتداء ہے جس سے تمہیں حامد بن زہرا نے خبردار کیا تھا۔ہمارا عذاب شروع ہو چکا ہے تمہارے سامنے قرآن جلایا گیا ہے لیکن راکھ کے اس انبار کو دیکھ کر یہ مت سمجھو کہ کلیسا کی آگ بجھ چکی ہے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب اندلس کے ہر شہر میں ایسے الاؤ جلائے جائیں گے اور تم

نے جس بے بسی کی حالت میں اللہ کی کتاب کو جلتا دیکھا ہے اس سے کہیں زیادہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں تمہاری بیٹیاں اپنے بھائیوں اور شوہروں اور تمہارے معصوم بچے اپنے والدین کو آگ میں بھسم ہوتا دیکھیں گے''۔

(نوٹ:۔ مغربی مورخ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ زیمینیس کے حکم سے غرناطہ میں دس لاکھ پانچ ہزار کتابیں نذر آتش کی گئی تھیں اور دیگر علوم سائنس، ریاضی وغیرہ پر تمام کتابیں عیسائیوں کے لئے سودمند سمجھ کر القعلہ یونیورسٹی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔)

عزیزانِ گرامی!

تاریخ کا یہ باب یہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ برصغیر میں برطانوی حکومت کی عملداری میں یہ باب ایک نئی حکمت عملی کے ساتھ کھلتا ہے۔

علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری لکھتے ہیں۔

متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت وتاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے چھینا تھا اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے لہذا ملک کے فرمانروا بنتے ہی ملت اسلامیہ کو صلیب وتثلیث کا شیدائی بنانے کی سرتوڑ کوشش کی اور انگلینڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلانے شروع کر دیئے جو آتے ہی اسلامی عقائد ونظریات اور بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وبارک وسلم پر لغو اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے نیز علمائے اسلام کو جگہ جگہ دعوت مناظرہ دیتے پھرتے۔ برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۴ء میں لندن سے اپنے مایہ ناز پادری فنڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا اس نے آتے ہی مختلف شہروں میں

تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ دعاوی کیے اور اسلام کی حقانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کے لئے علمائے اسلام کو للکارا چنانچہ **مدرسہ صولتیہ** واقع مکہ مکرمہ کے بانی، فخر ہندوستان، پایہء حرمین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ سنہ ۱۸۹۰ئ) نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیا اور آگرہ کی سرزمین میں اس کا سارا علمی غرور ایسا خاک میں ملایا کہ رُوسیاہی کو چھپانے کی خاطر پادری صاحب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہوکر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔ اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی۔ علمائے اسلام ان کا ہر علمی محاذ پر ناطقہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہے۔

(کلمہ حق از علامہ عبدالحکیم اختر شہجہانپوری صفحہ 59،60 مطبوعہ بزم رضویہ)

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(کلمہ حق صفحہ 59،60 مطبوعہ بزم رضویہ)

قدرت اللہ شہاب ان مناظروں سے متعلق لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال سے شہ پاکر اس زمانے میں عیسائی مشنریوں نے بھی برصغیر پر یورش شروع کردی اور وہ بڑی شدت سے مسیحیت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے یہ پادری جگہ جگہ مسلمان علماء کو مناظرے کا چیلنج

دیتے تھے مناظرے اکثر گورنمنٹ اسکولوں کے گراؤنڈ میں منعقد ہوتے تھے مقامی انگریز افسر شامیانوں کا بندوبست بھی کرتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے پادریوں کی پشت پناہی کا سامان بھی کرتے تھے۔

(شہاب نامہ از قدرت اللہ شہاب صفحہ 104،105 مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

عیسائی مشنریوں کی مسیحی تبلیغ کے کیا نتائج برآمد ہو رہے تھے ساورا ایجنسی کے حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں۔

ہسپانوی عیسائی مشنری تھا جو ساورا زبان اور تاریخ کا ماہر تا اور عرصہ دس برس سے وہاں جم کر بیٹھا ہوا مسیحیت کی تبلیغ میں دل وجان سے مصروف تھا تبلیغ کے ساتھ وہ کسی قدر علاج معالجہ بھی کرتا تھا لیکن دس سال کے طویل عرصے میں وہ صرف چار آدمیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوا تھا ان میں سے ایک تو ہسپانوی مشنری کا اسٹنٹ بن کر اس کے ساتھ ہی مقیم تھا باقی تین کلکتہ کے ایک مسیحی ادارے میں مشنری بننے کی ٹریننگ حاصل کر رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً کچھ اسلامی انجمنیں اور آریہ سماجی سنگھٹن بھی اس علاقے میں تبلیغ کرنے کی اجازت مانگتے تھے لیکن انگریز گورنر ہمیشہ انکار کر دیتا۔ (شہاب نامہ صفحہ 159)

عزیزانِ گرامی!

یہ حال تھا ساورا قوم کا جو مظاہر پرست تھے جب ان کو مسیح تبلیغ کر کے عیسائی نہ بنا سکے تو وہ مسلمان جن کی تاریخ سنہری کارناموں سے بھری پڑی تھی ۔۔۔۔ جن کے علم

وعرفان کی درسگاہیں دنیا کو ایک عرصہ تک سیراب کرتی رہی تھیں کیا جن کے آباء کی کتابیں علم کے نور سے آج بھی بلاتفریق کائنات کے گوشوں کو روشن کررہی ہیں وہ ایک ایسی قوم کی تبلیغ کو قبول کرلیتی ؟ جن کے اپنے عقیدے کی کوئی اہمیت نہیں جن کے نزدیک خدا ایک نہیں تین ہیں جن کے خدا کو بت پرست رومیوں نے حکمران یہودیوں کی خواہش سے سولی کے تختے پر لٹکا دیا تھا۔ اور اس کی ہتھیلیوں اور ٹخنوں کو تختے سے لگا کر بڑی بڑی کیلیں ٹھونک دی گئیں تھیں پھر اس نے درد کی شدت سے چیختے ہوئے کہا تھا کہ خدایا موت کے پیالے کو میرے لبوں سے ہٹالے مگر اسے سولی پر چڑھنا تھا اور ان کا یہ خدا تین دن تک سولی پر لٹکا رہا۔

جہاں ایسے عقائد ونظریات ہوں کیا دنیا کی مہذب قوم مسلمان جنہوں نے اس دنیا کو علم کی روشنی سے اس وقت منور کیا جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا وہ اس قوم کی اس بے سروپا تبلیغ کو ان من گھڑت نظریات کو قبول کرسکتی تھی؟

نہیں ہرگز نہیں۔

عزیزانِ گرامی!

جب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی انتھک کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکے اور ایسٹ انڈیا کو اپنا منصوبہ درگور ہوتا نظر آیا ان حالات میں پرانے شکاری نیا جال لے کر آئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پراسرار بنالیا۔ جو زہر پہلے وہ جبراً کھلاتے تھے اب ایسی لذیذ غذا کی صورت میں مسلمانوں کے حلق سے اتارنے لگے جو دیکھنے میں انتہائی خوش نما اور شیریں معلوم ہوتا تھا اپنے اس ظالمانہ منصوبہ کو کامیابی

سے ہمکنار کرنے کے لئے انگریزوں نے تعلیم کا راستہ چنا۔
کس طرح انہوں نے یہ زہر مسلم قوم کے حلق سے نیچے اتارا۔
علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے زیر تعلیم نونہالوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو نہ کہا جاسکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پاکر نکلے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق نہ آئے۔وہ مسلمان ہی کہلاتے رہیں لیکن اسلامی تہذیب سے نا آشنا ہو جائیں۔اس طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ وروپ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں گی جس کے باعث ان کا زاویہ ءنظر ہی بدل جائے گا۔
(کلمہ حق صفحہ 62)

یہود ونصاریٰ کی اس سازش کو پروفیسر محمد فاروق النبہان اپنے آرٹیکل ''عالم اسلام کا مستقبل منصوبہ بندی اور اقدام'' میں اس طرح طشت از بام کرتے ہیں

علم کے نام سے اور ثقافت کے نام سے ہمارے ممالک کے اندر جو مشنری مراکز قائم کئے جاتے ہیں وہ اسلام کے دشمن، استعمار پرست ملکوں کے مفادات ومصالح کو آگے بڑھانے کی خدمات انجام دیتے ہیں، یہ انھیں مملکتوں کے خدمت گزار ہیں جنھوں نے صلیبی جنگوں کی قیادت وسیادت ایک زمانے میں کی تھی کہ اسلام کا خاتمہ اس کی سرزمین ہی پر ختم کر دیا

جائے۔اور اب یہ وہی لشکر ہے جو میدانِ جنگ سے ہٹ کر ہماری تعلیمی درس گاہوں اور نظامِ علمی میں آگیا ہے اوران پر مسلّط ہے یہ وہی لشکر ہے جواپنا زہرخود ہمارے بیٹوں کے دل ودماغ میں اپنے پسندیدہ ومنتخب گروہ کے ذریعے سے انڈیلتا ہے جو وہاں تعلیم پاتے ہیں وہ ایسی تعلیم ان کو دیتا ہے جو مضرت رساں زیادہ ہے اور نفع بخش کم۔یہی تعلیم پاکر ہمارے بچے ان تعلیم گاہوں سے جب باہر نکلتے ہیں تو اپنے دین اور عقیدے کے بارے میں بدترین خیالات کے حامل ہوکر نکلتے ہیں۔

(جریدہ 34 جلد 6 صفحہ 199 مطبوعہ شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی)

عزیزانِ گرامی!

صرف سیکولر نظام تعلیم ہی نہیں بلکہ مسیحی تعلیم کو بھی رائج کرنے کی زبردست کوشش کی گئیں۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی اپنی کتاب ارشاد الحیاری میں لکھتے ہیں۔

فرنگی جو اسکول اسلامی ممالک میں کھولتے ہیں ان میں طالب علم کے داخلے کی اہم ترین شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر دن عیسائی لڑکوں کے ساتھ عبادت کے لئے گرجا جائے گا اور ان جیسے دینی افعال انجام دے گا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور جسے یہ شرط منظور نہ ہو اسے وہ داخلہ نہیں دیتے۔بیروت میں بھی ایسے اسکول موجود ہیں اور ان میں مسلمانوں کے کچھ بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔مثلاً مدرسہ یسوعیہ اور

مدرسہ المطر ان المار دنیہ۔

(تقدیم شواھد الحق صفحہ ز، از علامہ عبدالحکیم شرف مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی (1988

اسی صورتحال کو اور وضاحت کے ساتھ پروفیسر محمد فاروق النبہان اپنے آرٹیکل ''عالم اسلامی کا مستقبل'' میں یوں بیان کرتے ہیں۔

بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے اس منشور کا مطالعہ کر لیں جو ۱۹۰۹ء میں اس نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس وقت شائع کیا تھا جب مسلمان طلبہ نے بطور احتجاج کلاسوں میں جانا اس لئے بند کر دیا تھا کہ روزانہ ان کو جبری طور پر چرچ میں جانا پڑتا تھا۔ منشور میں یہ درج ہے کہ:

''یہ مسیحی یونیورسٹی ہے۔ مسیحیوں کی مالی امداد سے قائم کی گئی ہے، مسیحیوں نے زمین خریدی، مسیحیوں نے عمارتیں کھڑی کیں، مسیحیوں نے ہسپتال بنائے، اور ان کو ضروری ساز و سامان مہیا کئے اور نہ ہی یہ ادارہ ان کی امداد اور سہارے کے بغیر جاری رہ سکتا ہے۔ سب کچھ ان ہی مسیحیوں نے کیا ہے تاکہ وہ تعلیم یہاں رائج کریں جس کے مواد میں انجیل ہو، اور اس کی حقیقی منفعتیں ہر طالب علم تک پہنچائی جائیں اس لئے جو طالب علم اس میں داخل ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ پہلے سے آگاہ رہے کہ اس سے کن باتوں کا مطالبہ کیا جائے گا'' ------

اور یونیورسٹی کی مجلس الامنائ (Trustees) نے اس ضمن میں اعلان

کیاوہ یہ ہے کہ:

''یہ یونیورسٹی اس لئے قائم نہیں کی گئی کہ یہاں سیکولر لادینی تعلیم (Secular) دی جائے اور نہ یہ اس کے فرائض میں ہے کہ وہ اخلاق حمیدہ کو عام کرتی رہے۔اولین غایت اس کی یہ ہے کہ وہ حقائقِ کبریٰ جو تورات میں ہیں وہ سکھائے جائیں اور یہ یونیورسٹی نورِ مسیحی اور تاثیر مسیحی کا مرکز ثابت ہو اور اسی کو لے کر وہ لوگوں کے سامنے آئے''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(جریدہ 34 صفحہ 200)

اسی صورتحال پر جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کا درج ذیل تبصرہ ملاحظہ کیجئے

انہوں نے اسکول کھولے تا کہ عیسائیت کا بیج ان نونہال بچوں کے دلوں میں بو سکیں جن کو آسانی سے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ان کی توجہ اعلیٰ تعلیم پر نہ تھی بلکہ ان کی توجہ کا مرکز پرائمری تعلیم تھی کیونکہ اسی سطح پر وہ بچے کی طرف سے کسی مزاحمت کے بغیر اس کے دل سے ایمان کی دولت نکال سکتے تھے۔

ان اسکولوں میں انہوں نے تربیت یافتہ عورتوں کو تدریس کے کام پر مقرر کیا جو بچوں کی نفسیات کی ماہر ہوتی تھیں اور بچوں کو آسانی سے اپنے شیشے میں اتار سکتی تھیں۔

انہوں نے عیسائی تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں یہ محسوس کیا کہ مسلمان

اپنے بچوں کو عیسائی تعلیمی اداروں میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں وہاں سیکولر
ادارے قائم کر کے اپنے مقاصد حاصل کئے۔
(ضیاء النبی از جسٹس پیر کرم شاہ الازہری جلد ششم صفحہ 259)

مشہور مبشر سموئیل زویمر جو اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے مشہور ہے وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کو اسلام کے خلاف سازشوں کے لئے اس طرح نصیحت کرتا ہے۔

جب تک مسلمان عیسائی مدارس میں داخلہ لینے سے ہچکچاتے ہیں اس وقت تک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے لئے لادینی مدارس کھولیں اوران مدارس میں ان کے لئے داخلہ آسان بنائیں یہی مدارس طلبہ کے اندر اسلامی روح کو ختم کرنے میں ہمارے ممدومعاون ثابت ہوں گے۔
(ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 254)

اسی متعصب مستشرق پادری ڈاکٹر سموئیل زویمر کے حوالے سے پروفیسر انور الجندی اپنے مضمون ''وحدت فکر، وحدت اسلامی کی تمہید ہے'' میں لکھتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ثلاثیات (Thirties) میں ممالک عربیہ کے اندر ڈاکٹر زویمر کو مشنریوں کی صف میں بڑا درجہ حاصل تھا ان سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو مسیحیت کے اندر سمیٹنے میں ناکام کیوں ہوئی تو ڈاکٹر زویمر نے نہایت خطرناک جواب دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ تخریبی اور تغریبی جنگ کے شعبوں میں تحقیق وتفتیش کرنے والے مسلم محققین کے لئے

الزام ہے کہ اس جواب کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اپنے سامنے رکھیں۔(زویمر نے کہا تھا کہ تبشیر کا ہدف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو میسحیت کے اندر سمیٹا جائے۔یہ بہت ہی مشکل کام ہے،عیسائی مشنریز کا ہدف صرف یہ ہے کہ ان کو اسلام سے خارج کردیا جائے)۔

(جریدہ 34 صفحہ 329)

مستشرقین کی تحریک کا ہدف کیا ہے اور اس نظام تعلیم کو وہ کس طرح استعمار کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں پروفیسر انور الجندی لکھتے ہیں۔

مستشرقین کی تحریک کا ہدف بالکل واضح تھا اور جیسا کہ خود ارباب استشراق نے بتایا ہے اور جس کا خلاصہ خود ان کے اس بیان قاطع میں موجود ہے کہ ''علم کو سیاست اور استعمار کی ضرورت گزاری پر رکھا گیا ہے'' اور اس کے دوررس مقاصد میں اہم ترین یہ ہیں کہ:

1۔اسلام کی شخصیت وانفرادیت کو تحلیل کیا جائے اس کی خصوصیت ذاتی اور انفرادی مزاج کا خاتمہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔

2۔عصرِ حاضر کے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کاٹا جائے اور ایسی تدبیریں کی جائیں کہ ان کا تعلق ماضی بعید کی بت پرستانہ تہذیب سے جوڑ دیا جائے۔

3۔تنقیص،تحقیر اور تلبیس کی فضاء پیدا کرنے کی نیت سے شکوک وشبہات پھیلائے جائیں اور کم سے کم میراث اسلامی کی توہین کا طریقہ اختیار کیا

جائے۔

4۔استشراق ہی وہ کارخانہ ہے جو عیسائی مشنریوں اور سیکولر مدارس کو طرح طرح کا زہر مہیا کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے ان مناآج وطرز وتعلیم اور نصاب تدریس میں ان کو داخل کریں جو مدارس وطنیہ میں منتقل کئے جائیں۔

5۔اس کاروائی کا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلامی کی وحدت فکر کو پارہ پارہ کیا جائے کبھی اس کو عربی اسلام، فارسی اسلام اور ترکی اسلام وغیرہ کے نام سے منقسم کیا جاتا ہے اور مختلف ٹکڑوں میں بانٹا جاتا ہے اور کبھی قومیت اور نسلیت کے تصورات پیش کئے جائیں اور ان کی آواز بلند کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔

(جریدہ34 صفحہ 330،331)

ڈاکٹر اقبال اسی پس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں

ایک لُردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر!
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برّے پر اگر فاش کریں قاعدۂ شیر!
سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر!

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر!
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!
(کلیاتِ اقبال صفحہ 134،ضرب کلیم)

عزیزانِ گرامی!

امت مسلمہ نو آبادیاتی نظام کے استعماری شکنجے سے ابھی نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ استعمار کے اس تعلیمی شکنجے میں پھنس گئی ہم نے اسلامی دنیا کے مختلف اسکالرز کا نقطۂ نظر آپ کے سامنے رکھا۔ برصغیر میں انگریزوں کے مکمل کنٹرول کے لئے مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر شب خون مارا گیا۔ برٹش راج کی مضبوطی کے لئے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی بلّی دے دی گئی۔

مسلم لیگ (ن) کے رہنما جاوید ہاشمی اپنی کتاب ''تختہ دار کے سائے تلے'' میں لکھتے ہیں۔

لارڈ میکالے نے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لئے تعلیمی نظام کا نصاب تیار کیا تھا جس کے مقاصد میں لارڈ میکالے نے کہا کہ برٹش راج کی مضبوطی کے لئے مقامی لوگوں کو ایک حد تک شامل کرنا ہماری مجبوری ہے اس لئے انہیں ایک محدود سوچ کی تعلیم دے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

مزید آگے لکھتے ہیں۔

لارڈ میکالے نے 2 فروری 1835ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں جو تقریر کی، وہ مختصر مگر جامع تھی۔ انہوں نے کہا ''معزز اراکین پارلیمان میں نے ہندوستان کے طول وعرض میں بار بار سفر کیا ہے۔ دنوں اور راتوں میں گھوما اور پھرا ہوں۔ میری آنکھیں آج تک ایسے شخص کو دیکھنے کے لئے ترستی ہیں جو یہاں بھکاری ہو، یا جو لٹیرا ہو۔ اس ملک میں ایسی دولت دیکھی ہے، ایسی بلند اخلاقی قدریں دیکھی ہیں اور اتنی بڑی ہستیوں سے ملا ہوں کہ مجھے پختہ یقین ہوگیا ہے کہ ہم کبھی اس ملک کو فتح نہیں کرسکیں گے، جب تک کہ ہم اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی نہ توڑ دیں، اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی کیا ہے؟ ان کا روحانی اور تہذیبی ورثہ! یہی وجہ ہے کہ میں باآواز بلند تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم ان کا نظام تعلیم اور ان کی ثقافت بدل کر رکھ دیں گے۔ دیکھنے میں خواہ یہ لوگ گندمی یا سانولی رنگت رکھتے ہوں لیکن ان کے سینوں میں سفید فام انگریز کا دل دھڑکتا ہو۔ اگر ہم انہیں یہ یقین دلاسکیں کہ ہر وہ چیز جو غیر ملکی اور ہر وہ چیز جو انگریزی ہے وہ ان کی چیزوں سے بہتر ہے تو ہندوستانی بہت جلد اپنی نظروں میں گر جائیں گے اور اپنے قدیم کلچر کو چھوڑ دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طرح جلد ایسا وقت آجائے گا اور وہ ایسے بن جائیں گے، جیسے ہم چاہتے ہیں وہ 'براؤن صاحب' کہلانے میں فخر محسوس کریں گے اور اس

طرح وہ صحیح معنوں میں ہماری مفتوحہ اور باج گزار قوم بن کر زندگی کے دن پورے کرنے لگیں گے"۔

(تختہ دار سائے تلے از جاوید ہاشمی رہنما مسلم لیگ (ن) صفحہ 262،261)

استعمار کے شکنجے میں کسے ہوئے بے بس لوگو!

کیا اس نظام تعلیم سے قبل ہمارے پاس کوئی تعلیمی نظام نہیں تھا؟

کیا ہم لوگ جاہل تھے؟

کیا ہماری تہذیب وتمدن میں کہیں نقص تھا؟

ترقی وتہذیب کے لفظ سے ہم لوگ نا آشنا تھے؟

اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو وہ لوگ کون تھے؟

جنہوں نے اپنی چند روزہ آسائشوں کی خاطر اپنی قوم کو تو گروی رکھا ہی رکھا ان کے ذہنوں کو بھی اور ان کی فکروں کو بھی دائمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔

ہم کس تہذیب وتمدن کے مالک تھے؟

ہماری علمی عروج کی داستانیں کیسی تھیں؟

ہمارے علماء، سائنسدان، فقہاء اور اسکالرز کا مقام کیا تھا؟

جب اس کائنات گیتی کی امانت ہمارے ہاتھوں میں تھی تو سکون وچین کی بہاروں کا منظر کیا تھا؟

اور جب اہل کلیسا کے ہاتھوں علم کی امامت آئی تو انہوں نے دنیا کو کس آگ میں

جھونک دیا؟

تاریخ کے اس حصے پر جہاں تجدد پسند اور روشن خیالوں نے دھول پھینک پھینک کر اس کو مکر وفریب کی تہہ میں دبا دیا ہے اپنی قوم کو اپنی آنے والی نسلوں کو اس تاریخ سے ضرور آگاہ کرنا چاہوں گا۔لیکن اس سے پہلے یورپ کی زندگی کا مختصر جائزہ ان کے علم وتہذیب وتمدن کو اختصار کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

عزیزانِ گرامی!

آج یورپ علم کی دنیا کو سب سے بڑا استاد ہے لیکن قرون وسطٰی میں اس کے یہاں علم اور علماء کا یہ حال تھا۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں۔

> زوال رومہ کے بعد پاپائیت برسر اقتدار آگئی تھی اور ۱۵۴۶ء تک سیاہ وسفید کی مالک رہی۔پوپ مذہبی ادب کے بغیر تمام اصناف علم کا دشمن تھا اور جہاں کہیں کوئی عالم یا فلسفی یا مفکر سر اٹھاتا، اسے کچل دیتا تھا۔اس دور میں مدارس حکماً بند ہوئے۔لاکھوں کی تعداد میں کتابیں نذر آتش ہوئیں کئی علماء پوپ کی علم دشمنی کے ہاتھوں قتل ہوئے اور یورپ پر ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔
>
> (ضیاء النبی جلد ششم صفحہ 92)

اہل صلیب کی علم دشمنی، عالم کشی اور کتب سوزی کے واقعات ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے یہ اس قوم کی داستان ہے جو آج خود کو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ

،مہذب خیال کرتی ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں۔

یونان کی ایک لڑکی ہائے پیشیا (۴۱۴ء) اسکندریہ میں تحصیل علوم کے لئے آئی۔اور برسوں کے بعد وہ ایک ممتاز فلسفی بن گئی ،اسے افلاطون وارسطو کے فلسفہ اور ریاضی وہندسہ میں بڑا ورک حاصل تھا۔اسکندریہ کے بشپ سائرل (۴۱۲ء میں بشپ مقرر ہوا تھا) نے اس لڑکی کو کافرہ قرار دیا۔اور ایک روز جب وہ فرائضِ تدریس سرانجام دینے کے لئے اپنی درس گاہ کی طرف جارہی تھی ۔سائرل کے بھیجے ہوئے چند سنگدل راہبوں نے اسے پکڑ لیا۔ پہلے ننگا کرکے بازار میں گھسیٹا۔پھر اسے گرجے میں لے گئے ۔وہاں تیز سیپیوں سے اس کی کھال کھرچی ،پتھر سے اس کا سر توڑا۔لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور انہیں آگ میں پھینک دیا۔

(یورپ پر اسلام کے احسانات صفحہ 101 بحوالہ معرکہ مذہب وسائنس)

کتابوں سے ان کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جہاں کتابیں دیکھیں جلا ڈالیں مٹا ڈالیں۔

بریفالٹ لکھتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں راہبوں کی علمی سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ یونان وروما کی کتابیں جلا کر ان کی جگہ مسیحی اولیا کی داستانیں رکھ دیتے تھے۔چونکہ اس زمانے میں کاغذ نایاب تھا۔اور اس کی جگہ چرمی جھلّی استعمال ہوتی تھی۔جس کی قیمت کافی زیادہ تھی ۔اس لئے راہب جھلّی پہ لکھی ہوئی

کتابیں کھرچ ڈالتے۔اوران پر دعائیں اوراولیاء کی داستانیں لکھ دیتے تھے۔(یورپ پر اسلام کے احسانات صفحہ 95 بحوالہ تشکیل انسانیت)

اس طویل علم دشمنی کی داستان کہاں تک بیان کروں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں۔

قرون وسطیٰ کے یورپ میں نہ کوئی درس گاہ تھی نہ معلم نہ مصنف جب مسلمان اسپین،فرانس اور سسلی میں پہنچے۔تو انہوں نے نہ صرف اسکول اور کالج کھولے۔بلکہ یونیورسٹیاں قائم کیں۔جن میں دنیا کے ہر حصے سے طلبہ حصول علم کے لئے آتے تھے ساتھ ہی دار الکتب قائم کئے جن میں یونان،ایران،روم،ہند اور عرب کی لاکھوں کتابیں جمع کیں۔نسلِ انسان پہ اس سے بڑا ستم اور کیا ہوسکتا ہے کہ جاہل اور وحشی عیسائی بادشاہوں اور پادریوں نے اس زمانے میں کہ اہل علم وقلم کا شدید قحط تھا،ساٹھ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلادیں۔سات لاکھ اسکندریہ میں،پندرہ لاکھ اسپین میں،تیس لاکھ طرابلس میں،تین لاکھ سسلی میں اور کئی لاکھ قسطنطنیہ،ایشیائے خورد،فلسطین،دمشق اور یورپ کے مختلف حصوں میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ تیرھویں صدی میں تاتاریوں نے پوری کردی۔انہوں نے بغداد،کوفہ،بصرہ،حلب،دمشق،نیشا پور،خراسان،خوارزم اور شیراز کی سینکڑوں لائبریریاں،جن میں کتب کی مجموعی تعداد تین کروڑ سے زیادہ تھی۔بھسم کرڈالیں۔بے شمار علماء مار

ڈالے، مدارس جلا دیے۔ اور مسلمان جو ساری دنیا کو تجلّیا تعلم سے منوّر کر رہا تھا۔ جاہل ہو کر رہ گیا۔

یہ ساٹھ لاکھ کتابیں تو وہ ہیں جن کا ذکر تاریخ میں آ گیا ہے نہ جانے ان تباہ شدہ کتابوں کی تعداد کیا ہوگی، جو مورخ کے علم میں نہیں آئیں۔ یورپ میں طاقت دو گروہوں کے پاس تھی۔ بادشاہ اور پادری۔ اور یہ دونوں علم کے دشمن تھے۔

(یورپ پر اسلام کے احسانات صفحہ 97،98)

عزیزانِ گرامی!

آپ نے ان کی علم دشمنی ملاحظہ کی۔ لیکن یہ انسان کی فطرت ہے تاریکیوں میں بھٹکنے والا انسان روشنی کی کرن پر لپکتا ہے اہل یورپ نے بھی یہی کیا جب انہیں اپنے ہاں تاریکی وظلمت نظر آئی تو انہوں نے علم تہذیب وخوشحالی کا درس لینے کے لئے مدارس کا رخ کیا اور علمائے اسلام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

علم کی پیاس بجھانے کے لئے علم کے متلاشی، یورپ کے طول وعرض سے اسپین کے مدارس کی جانب دوڑ پڑے انہوں نے عربوں سے علم سیکھا، تہذیب سیکھی اور یورپ کو علم وتہذیب کے نور سے منور کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

مشہور مستشرقہ کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں۔

یورپ میں علمی بیداری کی لہر ابھی ابھر رہی تھی بارہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں عیسائی اسکالرز سپین اور سسلی میں جوق در جوق

جانے لگے وہاں انہوں نے ان سابق مسلم علاقوں کے عربوں سے علم کی دولت حاصل کی۔انہوں نے عربی کتابوں کا ترجمہ شروع کیا۔

مزید آگے لکھتی ہیں۔

اس ثمر آور مثبت تعاون سے یورپ میں ایک نئی دانش ورانہ حیات جنم لے رہی تھی عرب تو بالخصوص عیسائی مغرب کے لئے منارہ نور تھے تاہم اس احسان کو بہت کم تسلیم کیا گیا ہے۔

(مقدس جنگ صفحہ 201 از کیرن آرم سٹرانگ مطبوعہ نگارشات پبلیشرز 2006 مترجم محمد احسن بٹ)

جب عیسائی یورپ سے پادری اور عام آدمی مسلم اسپین میں پوری آزادی کے ساتھ قرطبہ اور طلیطلہ کی جامعات سے سیراب ہو رہے تھے تو اس صورتحال پر پاپائیت ماتم کناں تھی کہ عیسائیوں نے عربی علم وادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔

ایک عیسائی پادری بڑے دکھ کے ساتھ لکھتا ہے

''میرے ہم مذہب عیسائی عربوں کی شاعری اور رومانوی ادب پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔وہ مسلمان فقہاء اور فلاسفہ کا کلام پڑھتے ہیں۔اور وہ ان چیزوں کو ان کی تردید کی خاطر نہیں پڑھتے بلکہ اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ عربی ادب کی صحیح روح سے آشنا ہوسکیں۔ہائے افسوس! وہ عیسائی نوجوان، جو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے نمایاں ہیں، عربی زبان وادب کے سوا نہ کسی زبان سے واقف ہیں اور نہ ہی کسی ادب سے۔وہ عربی

کتابوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔وہ کثیر رقوم خرچ کر کے عربی کتابوں کے انبار اکٹھے کرتے ہیں اور ہر جگہ ان کی زبانوں سے عربی زبان وادب کی تعریف سنائی دیتی ہے۔

(ضیاءالنبی جلد ششم صفحہ 107 بحوالہ ایج آف فیتھ صفحہ 299,300)

اسلامی تہذیب وثقافت نے کیسے نقوش چھوڑے علم وعرفان کے کیسے فانوس روشن کئے ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں

''عربوں نے اسپین اور سسلی میں ایک ایسی شاندار تہذیب کی بناڈالی جس کی نظیر دنیا میں کہیں اور موجود نہ تھی عربوں کے بعد بھی ان کا اثر مدتوں باقی رہا ان کے جانشین عیسائی بادشاہ دوسو برس تک عربی لباس پہن کر عربی بولتے اور عربی میں پڑھتے پڑھاتے رہے۔عربی علوم کے حصول کا شوق اس حد تک تھا کہ طلبا دور دور سے عربی درسگاہوں میں آتے تھے گو اسپین اور انگلستان کے درمیان ایک ہزار میل تک بحرِ اوقیانوس پھیلا ہوا تھا۔اور کشتیوں میں سفر از بس خطرناک تھا۔تاہم برطانیہ کے شائقینِ علم اسپین ،سسلی ،مصر اور بغداد تک جاتے تھے۔

(یورپ پر اسلام کے احسانات صفحہ 288)

اندلس میں مسلمانوں کے کارنامے

اندلس کے اندر مسلمانوں نے جو تعلیم وتعلم اور نصاب کے حوالے سے لازوال کارنامے انجام دیئے اس کے بارے میں ڈاکٹر طفیل ہاشمی لکھتے ہیں

اسلامی عہد میں سپین میں تعلیم عام ہوگئی ،تعلیم کے مختلف درجات تھے پرائمری سطح پر قرآن حکیم ،عربی زبان کے منتخب ادب پارے،خطوط نویسی، انشا پردازی اورعربی گرائمر کی تعلیم دی جاتی تھی ۔سپین کی ہر بڑی بستی میں کئی مدارس تھے جن میں ثانوی تعلیم کا انتظام تھا صرف قرطبہ میں حکم ثانی نے ستائیس ایسے مدارس قائم کئے جن میں مفت تعلیم کا انتظام تھا قرطبہ، اشبیلیہ ، ملاغہ، سرقسطہ ، جیان میں اعلیٰ تعلیم کی یونیورسٹیاں تھیں جہاں بالعموم بلا معاوضہ تعلیم دی جاتی تھی اکثر اساتذہ کو حکومت کی طرف سے مشاہرے ملتے تھے اور نادار طلبہ کی ضروریات کی کفالت بھی حکومت کرتی تھی ان یونیورسٹیوں میں حدیث، تفسیر، ادبیات، تاریخ اور سائنس کے علوم پڑھائے جاتے تھے حکم ثانی کے عہد میں جامع قرطبہ کو جو عبدالرحمان ثالث کی بنائی ہوئی مسجد میں قائم کی گئی تھی دنیا کے تعلیمی اداروں میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔ یہ جامعہ قاہرہ کی جامعہ ازہر اور بغداد کی جامعہ نظامیہ دونوں سے شہرت میں سبقت لے گئی تھی یہاں نہ صرف سپین کے مسلمان ،نصرانی اور یہودی طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ سے بھی تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لئے یہاں آتے تھے۔

(اندلس میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے ص87,88از پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی مطبوعہ ملت پبلی کیشنز لاہور جنوری 2001)

مسلمانوں کی اس علم پروری اور علم کے شوق کو ایک عیسائی مورخ یوں بیان کرتا ہے پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے۔

ایسے معارف پرست اور علم دوست بادشاہ کے سایہ عاطفت میں تمام علوم وفنون کو ترقی رہی ابتدائی مدارس اچھے تھے اور بہت تھے، اسپین اسلامیہ میں ہر تنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا لیکن مسیحی یورپ میں سوائے بڑے درجے کے لوگوں یا پادریوں کے سب ناخواندہ ہوتے تھے، نحو اور معنی کی تعلیم بھی مدارس میں عام تھی۔

(عبرت نامہ اندلس صفحہ 715 از پروفیسر رائن ہاٹ ڈیزی مترجم، مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مشتاق بک کارنر لاہور)

عزیزان گرامی!

علم وعرفان کے یہ دریا تو اسپین میں بہہ رہے تھے اور مسلمانوں کی اعلیٰ ظرفی کے سبب بلاتفریق ہر خاص وعام اس سے سیراب ہو رہا تھا لیکن اس وقت برصغیر کی صورتحال کیا تھی؟

کیا یہاں اسپین کی طرح اسلام کی تہذیب وثقافت کی کرن نہیں پہنچی تھی؟

کیا یہاں اندھیروں کا راج تھا؟

کیا علم وعرفان کے چشمے یہاں نہیں پھوٹے تھے؟

اے ملت اسلامیہ کی تاریخ سے آگہی کے متلاشیو!

ہندوستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو ہر مسلمان حاکم کے دور میں علم وعرفان کا ایک نیا دریا

بہتا نظر آئے گا

علوم وفنون تحقیق وتعلیم کا کیا معیار تھا۔

انگریز جنرل سالو مان (سلیمان) نے مسلمانوں کی تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد لکھا تھا۔

جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں اپنے کالجوں میں حاصل کرتے ہیں وہی یہ لوگ (ہندوستانی مسلمانوں کے بچے) عربی اور فارسی میں سیکھتے ہیں ۔سالہا سال کے درس کے بعد ایک (ہندوستانی) طالب علم اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے، دستار فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا پر گفتگو کرسکتا ہے ،جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔

ایک تعلیم یافتہ مسلمان فلسفہ، ادبیات اور دوسرے علوم وفنون پر قابلیت سے گفتگو کرسکتا ہے اور علی العموم ان مضامین پر گفتگو کرنے اور موجودہ زمانہ میں جوان میں تبدیلیاں ہوئی ہیں انہیں سمجھنے کا بہت خواہشمند ہوتا ہے۔

(ہمارا انصابِ تعلیم کیا ہوا؟ صفحہ 100,101 ،بحوالہ دیباچہ غالب نامہ ص 14 از شیخ محمد اکرم)

عزیزانِ گرامی!

برصغیر میں کیسے یکتاء روزگار موجود تھے سائنسی علوم میں علماء اسلام کیسی دسترس رکھتے

تھے۔علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر سرضیاء الدین ریاضی کے ایک مسئلے میں الجھ گئے اوران سے وہ مسئلہ حل نہیں ہوا وہ یہ مسئلہ لے کرمولانا احمد رضا خاں صاحب کے پاس آئے۔مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہ مسئلہ حل کر دیا توسرضیاء الدین یہ کہہ اٹھے کہ:

''اپنے ملک میں جب معقولات کا اتنا بڑا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا وقت ضائع کیا''۔

(ماہنامہ تجلیات خطبہ صدارت یوم رضا ۱۳۹۷ھ ناگپور)

مولانا احمد رضا خان ملت اسلامیہ کی ایک عبقری شخصیت تھے افسوس!

کہ فرقہ واریت کے نقیبوں اور استعماری ایجنٹوں نے ان کی شخصیت کو تہہ در تہہ پروپیگنڈہ کی دھول میں چھپا رکھا۔

پروفیسر ڈاکٹر احمد مسعود لکھتے ہیں۔

''دنیا کے عبقری ملک ملت کا اثاثہ ہوتے ہیں ان کو کسی طبقے کی ملکیت خیال کرنا سخت غلطی ہے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ایک بے مثال ''عبقری'' تھے اوراپنے وقت کے امام برحق''۔

(تحریک آزادی ہند از پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، صفحہ 20 مطبوعہ ضیاء القرآن 2002)

امت مسلمہ کی اس عبقری شخصیت پر نہ صرف برصغیر میں بلکہ عرب دنیا میں بھی PHD کے مقالے لکھے گئے مستشرقین ان کی کتابوں کو پڑھ رہے ہیں انہی میں

ایک مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے ایم ایس بلیان بھی ہیں جو لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے شعبہ علوم اسلامی میں ایک سن رسیدہ پروفیسر ایمرٹس ہیں اور پچھلے دس سالوں سے امام احمد رضا کے شہرہ آفاق فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو ایک خط لکھا اس خط میں لکھتے ہیں۔

''حقیقت میں وہ ایک عظیم محقق اور فاضل تھے میں نے ان کے فتاویٰ پڑھے تو میں ان کی وسعتِ مطالعہ سے بے حد متاثر ہوا آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ احمد رضا کو مغرب میں جانا پہچانا جانا چاہئیے اور ان کی پذیرائی ہونا چاہئیے''۔

(ترجمہ انگریزی مکتوب 21 نومبر 1986 لیڈن؛ معارف رضا 1989 ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی مضمون قرآن سائنس اور امام احمد رضا از پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری)

انگریزوں کے نظام تعلیم سے قبل برصغیر کے نظام تعلیم میں دینی و دنیاوی کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

حکیم محمد سعید لکھتے ہیں۔

گزشتہ نصف صدی میں طبقہ علماء میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام بہت ممتاز ہے ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، تفقہ اور دینی علوم میں فاضل بریلوی کی مہارت کے ساتھ سائنس اور طب کے علوم میں بھی ان کی بصیرت علماء سلف کے

اس ذہن وفکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی اور دنیوی علوم کی تفریق نہ تھی ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصر حاضر کے علماء اور دانش گاہوں کے متعلمین دونوں کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے ان کی تصانیف ہمارے لئے بیش بہا علمی ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے تحقیقی مطالعہ سے علوم وفنون کے بہت سے گوشے سامنے آتے ہیں۔

(معارف رضا 1989 شمارہ نہم صفحہ 98، حکیم محمد سعید، مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 1982 ص 15)

عزیزانِ گرامی!

یہ تھا برصغیر کا نظام تعلیم

اکبر آلہ آبادی کہتے ہیں

کچہریوں میں ہے پرستش گریجویٹوں کی
سڑک پر مانگ ہے قلیوں کی رومیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین وتقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کی بیٹوں کی

انگریزوں سے قبل اس نظام تعلیم پر شب خون کیوں مارا گیا؟

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اس برصغیر میں مسلمانوں پر تعلیم وترقی کے سبھی دروازے بند کردیئے گئے تھے۔ لارڈ میکالے کا فتویٰ تھا، کہ یہاں پر جو

نظام تعلیم رائج کیا جائے وہ ایسے انسان پیدا کرے جو رنگت میں تو بیشک ہندوستانی ہوں، لیکن چال ڈھال، فہم وفراست، ذوق ومذاق، اخلاق واطوار اور ذہنی اعتبار سے انگریز ہوں۔اس پالیسی کے تحت جب فارسی کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنادیا گیا، تو برصغیر کے ہزاروں مسلمان علماء وفضلا بہ یک نوکِ قلم غیر تعلیم یافتہ قرار دے دیئے گئے۔اس فیصلے کا ہندوؤں نے بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔اس لئے نہیں کہ انہیں انگریزی سے کوئی خاص محبت تھی، بلکہ اس لئے کہ انہیں فارسی سے چڑ تھی کیونکہ اس زبان کا رابطہ مسلمانوں سے تھا۔

یوں بھی جب 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا آخری چراغ گل ہو گیا تو انگریزوں اور ہندوؤں کی ایک مشترکہ کوشش یہ تھی کہ اس برصغیر میں ہر اس امکان کو ختم کر دیا جائے جس میں مسلمانوں کے دوبارہ سر اٹھانے کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو۔یہاں پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم تھی جس میں حکومت کرنے کی صلاحیت بھی تھی، روایت بھی تھی اور ہزار سالہ تجربہ بھی حاصل تھا۔چنانچہ اس قوم کا سر کچلنا دونوں کا فرض منصبی قرار پایا۔

(شہاب نامہ صفحہ 104)

اس نظام تعلیم سے حاصل کیا ہوا ہندوستان کے سابق وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

کچھ اوپر سو برس ہوئے ہندوستان میں انگریزی حکومت آئی اور جدید علوم

وفنون کو اپنے ساتھ لائی اسکول بنائے،کالج قائم کئے،تربیت گاہ(ہوسٹل)واقامت گاہ(بورڈنگ ہاؤس) کی بنیاد ڈالی ،وظیفے دیئے،ملازمتوں کا دروازہ کھولا،سررشتہ تعلیم کی رسی دراز کی۔یہ سب کچھ ہوالیکن اس کو کیا کیا جائے کہ تعلیم کا نظام اور اسکا طرز وطریق ہی ایسا ناقص تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ نہ ذہنیات ہی میں ترقی کرسکا ،نہ دماغ ہی آراستہ ہوئے ،نہ عملی طریق پر ملک کی ثروت بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی ،اور نہ ایجاد واختراع ہی کی جانب توجہ پیدا ہوئی ۔اس تمام تعلیمی تگ ودواور غوغائے علم کا نتیجہ صرف اسی قدر نکلا کہ سرکاری دفتروں میں محرومی ونظامت کے لئے کم معاوضہ پر فرنگی کارکن نہیں مل سکتے تھے ،ہندوستانیوں کوانگریزی میں بہرہ نہ تھا،انگریزی افسر ہندوستانی محرروں کے حاجتمند بھی تھے۔اوران کے ہاتھوں زحمت بھی اٹھاتے تھے۔پس سرکاری یونیورسٹیوں نے یہ زحمت بھی رفع کردی۔کلرکی کے لئے اس تعلیمی ترقی کے دور میں ہر قسم کے ہندوستانی گریجویٹ ملنے لگے،جن کی زندگی کا ماحصل یہی ہوتا ہے کہ کمائیں،کھائیں اور گورنمنٹ کی غلامی میں عمریں گزاردیں!!

(ابوالکلام آزاد کے علمی شہہ پارے صفحہ 339, 339مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

سرسید احمد خان جس نظام تعلیم کوفروغ دے رہے تھے وہ لارڈ میکالے کا ہی نظام تعلیم

تھا اس کے لئے قوم سے چندہ وصول کیا جاتا تھا گویا ہمارے پیسے سے ہمارا ہی استیصال۔

سرسید احمد خان کہتے ہیں۔

ایسے اسکول جو انٹرنس تک پڑھاتے ہیں یا پڑھانا چاہتے ہیں اور جن میں ہیڈ ماسٹر ایک یورپین جنٹلمین نہیں ہے، بہت ناقص اسکول ہیں اور طالب علموں کو ناقص رکھتے ہیں، خواہ وہ اسکول گورنمنٹ کے ہوں یا مشنریوں کے یا پرائیویٹ لوگوں کے۔ اگر ہماری قوم ایسے اسکول جاری رکھنا چاہتی ہے تو ایسی تدبیر کرے کہ یورپین ہیڈ ماسٹر اس میں ہو اور سمجھ لے کہ بارہ سو روپیہ خرچ کرنا ہوگا۔ جو کالج ایسا ہو جس میں کم از کم تین یورپین پروفیسر نہ ہوں وہ بھی طالب علموں کو، ان کی لیاقت کو ناقص رکھنے والا ہے۔

(جریدہ 34 صفحہ 3III بحوالہ مکمل مجموعہ لیکچرز)

اکبر آلہ آبادی نے اسی موقع پر کہا تھا۔

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر ایک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

مولانا احمد رضا خاں ملت اسلامیہ کی اس حالت پر دردمندی اور فکر انگیزی کے ساتھ فرماتے ہیں۔

تہذیب وانسانیت سکھانے کے لئے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا عرب، مصر، روم، شام حتیٰ کہ حرمین شریفین کے علماومشائخ میں کوئی اس قابل نہیں ہاں کمال مہذب وشیخ تربیت وپیرافادیت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں ان کواس قدر بیز تنخواہیں ان روپوں سے دی جائیں گی کہ وہ یہاں رہنے پر مجبور ہوں ان کی صحبت وتربیت میں مسلمانوں کے بچے رکھے جائیں گے اُن کے اخلاق وعادات سکھائے جائیں گے، ایسی صورت میں حال ظاہر ہے ابتداء میں کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے کو بہت سنبھل سنبھل کر بنا بنا کر مقاصد دکھائے گئے ہیں ان میں تو یہ حالت ہے آئندہ جو کارروائی ہوگی رُویش بہیں حالش مپرس (اس کا چہرہ دیکھ لیکن اس کا حال نہ پوچھ۔ت)

سالہا سال سے کوعلی گڑھ کالج انھیں مقاصد کے لئے قائم ہے اس کے ثمرات ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کونیم عیسائی کرچھوڑا اس کے اکثر تعلیم یافتہ اسلام اور عقائد اسلام پر ٹھٹھے اُڑاتے ہیں آئمہ وعلماء کومسخرہ بتاتے ہیں خودغرضی وخود پسندی دنیا طلبی دین فراموشی یہاں تک کہ داڑھی وغیرہ اسلامی وضع سے تنفران کا شعار ہے جب ادھورے کے یہ آثار ہیں تکمیل کے بعد جوثمرات ہوں گے آشکار ہیں۔

قیاس کن زگلستان او بہارش را

(اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کرلیجئے۔ت)

(فتاویٰ رضویہ از مولانا احمد رضا جلد 23 صفحہ 685 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

اکبر آلہ آبادی اسی موقع کے لیے کہتے ہیں۔

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و دردمندی
یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمہیں خدا دے
اُنہیں اس بات پر یقین ہے کہ یہی اصل کار دین ہے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے
مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انہیں تجربہ نہیں ہے
خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل کیسے جادے
فریب دے کر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب
مٹادے آخر کو وضع ملت نمودِ ذاتی کو گو بڑھادے

اقبال و اکبر کے اشعار، اہل درد کے نوحے، مفکرین کے افکار، کو کسی نے اُس وقت اہمیت نہیں دی اور لارڈ میکالے کا جدید نظام تعلیم، عزت و وقار کی علامت بن گیا۔

اکبر نے اسی موقع پر کہا تھا۔

بنائے ملت بگڑ رہے ہیں لبوں پر ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
کٹی رگِ اتحاد ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے آب صافی نہار ہے ہیں نکھر رہے ہیں

اس تعلیمی نظام کے کیا اثرات سامنے آئے جاوید ہاشمی لکھتے ہیں۔

تعلیمی اداروں کے بڑھ جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا نہ ہسپتالوں کا صدیوں کی محنت مزدوری کو فیوڈل ڈھانچے نے صدیوں کی بھوک، بیماری اور جہالت دی ہے۔

(تختہ دار کے سائے تلے صفحہ 207)

ایک اور جگہ یوں اظہار خیال ظاہر کرتے ہیں۔

غلاموں کی بہتر کارکردگی کے لئے انہوں نے جو نظام بنایا اور جو تعلیمی نظام دیا وہ بھی استحصالی تھا۔

(تختہ دار کے سائے تلے صفحہ 145)

اے پاکستان اور اسلامی ممالک میں کلیسائی نظام تعلیم کی پالیسی مرتب کرنے والے بانجھ مفکرو!

اے ڈالرز کے عوض اپنی قوم کو بیچنے والے سوداگرو!

ان سامریوں کے سحر سے منجمد اے بھولے بھالے لوگو!

سوچو اور ضرور سوچو!

کیا یہ یہود و نصاریٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم ایک تعلیم یافتہ قوم بن جاؤ۔۔۔

کیا یہ، یہ چاہتے ہیں کہ تم مہذب اور تہذیب یافتہ کہلاؤ۔۔۔

اسی لئے!

یہ تم کو اسکول، کالج، یونیورسٹی بنانے کے لئے ڈالرز کی شکل میں مالی امداد دیتے ہیں۔

نہیں دوستو! نہیں

یہ امداد اس لئے نہیں!

اگر ایسا ہی ہے تو پھر مسلمانوں کو نیوکلیر ٹیکنالوجی، جینٹک اور خلائی ٹیکنالوجی میں داخلے کیوں نہیں دیئے جاتے۔

پروٹوکولز کا مصنف لکھتا ہے۔

In applying our principles let attention be paid to the character of the people in whose country you live and act: a general,identical application of them,until such time as the people shall have been re-educated to our pattern,cannot succeed.But by approaching their application cautiously you will see that not a decade will pass before the most stubborn character will change and we shall add a new people to the ranks of those already subdued by us.

(Protocole -P-45)

(ترجمہ) ہمارے قواعد وضوابط کو جامعہ عمل پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہوگا ۔عوام کو جب تک از سرِ نو ہمارے نصاب کے مطابق زیورِ تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا ان قواعد وضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہوگا تاہم اگر احتیاط اور صبروتحمل سے کام لیا جائے تو دس سال کا عرصہ بھی نہیں گزرے گا ضدی وہٹ دھرم قلم کے افراد کے ذہنوں میں بھی تغیر محسوس ہونے لگے گا۔اور ہمارے مطیع افراد کی صف طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔

(پروٹوکولز صفحہ 158)

عزیزانِ گرامی!

یہ تعلیم کا فروغ نہیں چاہتے ذہنی غلاموں کی فوج چاہتے ہیں اسلامی ممالک کے اسلامی نظامِ تعلیم کے جسدِ ملی سے روحِ محمد کو جو اب مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح باقی بھی نہیں ہے اس بچی کچی رمق کو نچوڑ کر رکھ دینا چاہتے ہیں یہی امریکی استعماریت کا ہدف ہے۔

شاید آج ایک طبقہ یہ مضمون پڑھنے کے بعد یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم یہ اسکول بند کردیں، یہ تعلیمی ادارے، یہ ٹیکنیکل ایجوکیشن، سب بند کردیں اور پتھروں کے زمانے میں چلے جائیں۔

نہیں ہرگز نہیں!

آپ ضرور تعلیمی اداروں کو قائم کیجئے۔۔۔آپ ضرور یونیورسٹیز کے ذریعے قوم کو علم کی روشنی تقسیم کیجئے ۔۔۔آپ ضرور علم کا حاصل کیجئے ۔۔۔مگر استحصالی تعلیم نہیں ۔۔۔امریکن نظام تعلیم نہیں۔۔۔ہمیں وہ نظام تعلیم نہیں چاہیئے جہاں ہماری نظریاتی اساس گم ہو جائے۔۔۔جہاں ہم یہ بھول جائیں کہ عقائد وایمانیات کیا ہیں۔۔۔ملی شعور کیا کہتا ہے۔۔۔سماجی اقدار کے تقاضے کیا ہیں۔۔۔

ہمیں آغا خانی نظام تعلیم نہیں چاہیئے جہاں بہن بھائی اور نامحرم بیٹھ کر جنسی تعلیم حاصل کریں۔۔۔ہمیں سیکولر اور امریکہ یا مشرف روشن خیال نظام تعلیم نہیں چاہیئے ۔کیونکہ

نشہ جس وقت بھی ٹوٹے گا ،کئی اندیشے
صبح لب بستہ کے سینے میں اُتر آئیں گے
محفل شعلہ شب تاب کے سارے لمحے
راکھ ہوجائیں گے پلکوں پر بکھر جائیں گے

اے اہل درد مسلمانو!

پاکستان اور اسلامی ممالک کا نظام تعلیم آغا خانیوں یا کسی اور سیکولر ، بے دین ، بدعقیدہ افراد یا اداروں کے حوالے کرنے کی مثال کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے امریکہ کا نظام تعلیم کسی مکہ فاؤنڈیشن کے سپرد کر دیا ہو۔ہندوستان کا تعلیمی نظام کسی محمود غزنوی سوسائٹی کے سپرد کر دیا ہو۔اور کسی صلاح الدین ایوبی ٹرسٹ کو۔مسیحی یورپ میں تعلیم وتدریس کے امور سونپے جا چکے ہیں۔

کیا ایسا ممکن ہے۔۔۔

نہیں ان ممالک میں ایسا کہاں ممکن ہے۔کیا ملک ہی لاوارث ہے جہاں تمام لوگ غیر اسلامی نظامِ تعلیم کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

دوستو! سوچو!

کیا پاکستان کو ایک بے سمت کارواں سمجھ لیا گیا ہے کہ جہاں منزل کے شعور سے عاری، مقاصد سے بیگانہ اور قومی امنگوں سے خالی نصاب تعلیم کو تھوپ دیا گیا۔

؎ یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سر رہ سیاہی لکھی گئی۔

ملت اسلامیہ کے مستقبل پر اشکبار آنکھو!

چینی انجینئرز کی مدد سے چشمہ پلانٹ تو لگوایا جاسکتا ہے۔۔۔امریکہ سے ایف سولہ طیارے تو خریدے جاسکتے ہیں۔۔۔یہ ممکن ہے کہ روس سے آپ اسٹیل مل لگوالیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ فرانس سے میراج طیارے لے لیں۔

مگر ذرا سوچیے!

کیا فلسفہ، تاریخ، سیاسیات، معاشیات، بین الاقوامی تعلقات، عمرانیات، نفسیات، ادب، اسلامیات اور بے شمار علوم جوں کے توں ان سے لے سکتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی!

دنیا کی کوئی زندہ قوم اپنی اساسیات (Basks) متصادم یا متضاد کوئی عنصر اپنے نظام تعلیم کا جز بنانا گوارا نہیں کرتی اور نہ اپنا نظام تعلیم و تعلم کسی کے حوالے کرتی ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محکومی ومظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے غلاموں کو معاف

عزیزانِ گرامی!

کیا یہ کلیسا کی آگ اسلام کے دامن پر یونہی لپکتی رہے گی ہمیں سوچنا پڑے گا، ہمیں سوچنا ہوگا۔

مفکرین ملت! فکر اپنایئے کیا یہ صلیبی زنگ ہمارے نوجوانوں کی فکر کو زنگ آلودہ نہ کردے گا۔ کچھ سوچئے۔

دردمندان ملت!

آتش مغرب کے فکری شعلے ہمارے نوجوانوں کی خودی وفکر کو جلا کر بھسم کر رہے ہیں۔

خدارا کچھ سوچئے۔

عزیزانِ گرامی!

اس بھڑکتی ہوئی آگ کو میں ٹھنڈا بھی کروں تو کیسے میرے ہاتھ میں نہ وہ تلوار ہے اور نہ مجھے وہ قوت صور حاصل ہے جو خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو بیدار کردے۔

ہاں !ایک تدبیر ہے۔

آؤ آج اپنے اسلاف کے پاس چلتے ہیں۔

ان کے پاس جنہوں نے مغربی استعمار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔

ان کے پاس جنہوں نے قوم کے درد کو محسوس کیا۔

ان کے پاس جو ملت کی خیر خواہی چاہتے رہے۔

ان گنت ستارے آکاش ملت اسلامیہ پر چمکے خوف طوالت کے سبب صرف ایک بدر کامل کی یہ تجویز، یہ تدبیر اور حل آپ کے سامنے رکھتا چلوں۔

ملت کی ترقی اور نشو نما کے تعلیم کی بنیادی اہمیت کیا ہے؟

نصاب کی تشکیل کن امور کو سامنے رکھ کر کی جائے؟

ترقی و نشو نما کی نہج کیا ہونی چاہئے؟

ماہر تعلیم مولانا احمد رضا خاں اس حقیقت کو یوں بے نقاب کرتے ہیں۔

(ا) اسلام کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے اور تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے کیونکہ ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا ہے اور دینِ اسلام کیا ہے؟

(۲) مقصدیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم کا بنیادی مقصد خدارسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے تاکہ ایک عالمگیر فکر ابھر کر سامنے آئے۔ سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیاء کی معرفت سے زیادہ خالق اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔

(۳) اولیت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی سطح پر رسول اکرم ﷺ کی محبت و عظمت کا نقش طالب علم کے دل پر بٹھایا جائے کہ اس وقت بتایا ہوا پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے ساتھ واصحاب و اولیاء علماء کی محبت و عظمت دل میں پیدا کی جائے۔

(۴) اولیت کے بعد حضرت رضا بریلوی صداقت پر زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پڑھایا جائے وہ حقائق پر مبنی ہو، جھوٹی باتیں انسان کی فطرت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ جس طرح جسم کے لئے صحیح غذا ضروری ہے۔ اسی طرح ذہن و دماغ کے لئے بھی صحیح غذا ضروری ہے۔ صحت فکر اسی سے وابستہ ہے۔

(۵) صداقت کے بعد انہوں نے افادیت پر زور دیا ہے۔ ان کے خیال میں صرف انہی علموکی تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں کام آئیں۔ غیر ضروری اور غیر مفید علوم وفنون کو نصاب سے خارج کر دیا جائے اس سے افراد کی توانائی، مال اور عمر تینوں ضائع ہوتے ہیں جو ایک بڑا قوی نقصان ہے۔

(۶) افادیت کے بعد وہ للّٰہیت پر زور دیتے ہیں اور اساتذہ کے لئے اور اساتذہ کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں کہ ان کے دل میں اخلاص و محبت ہو اور قوی تعمیر کی لگن ہو وہ علم کا کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ طلبہ کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہوں۔

(۷) للّٰہیت کے بعد وہ حمیت وغیرت پر زور دیتے ہیں طلباء میں خودداری اور خود شناسی کا جوہر پیدا کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ تا کہ وہ دستِ سوال دراز کرنے کے عادی نہ ہو جائیں اور اپنا یہ جوہر کھو کر معاشرے کے لئے ایک بوجھ اور اسلام کے لئے ایک داغ نہ بن جائیں۔

(۸) حمیت کے بعد حضرت رضا بریلوی حرمت پر زور دیتے ہیں یعنی طالب علم کے دل میں تعلیم اور متعلقات تعلیم کا احترام پیدا کیا جائے۔

(۹) حرمت کے بعد وہ صحبت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یعنی طالب علم کو بری صحبت سے بچایا جائے۔ کہ یہی عمر بننے اور بگڑنے کی ہوتی ہے۔۔۔۔ وہ مفید کھیل اور سیر و تفریح کو بھی ضرور قرار دیتے ہیں تا کہ طالب علم کی طبیعت میں نشاط وانبساط باقی رہے اور وہ مسلسل تحصیل علم سے اکتا نہ جائے۔

(۱۰) آخر میں حضرت رضا بریلوی سکنیت پر زور دیتے ہیں۔ یعنی تعلیمی ادارے کا ماحول پرسکون اور باوقار ہونا چاہیے تا کہ طالب علم کے دل میں وحشت وانتشارِ فکر پیدا نہ ہو"۔

(معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۷ صفحہ ۱۶۷: "امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے افکار ونظریات۔ انفرادی مطالعہ" ام، ایڈ مقالہ مصنفہ منور سلطانہ بنتِ قاضی محمد اقبال جامعہ ملیّہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملیر کراچی، ۲۰۰۵۔۲۰۰۶ئ، غیر مطبوعہ ص ۷۵، ۷۶)

عزیزانِ گرامی!

یہی نصاب کی وہ روح ہے جس نے ابن سینا ، جابر بن حیان اور عباس ابن فرناس وغیرہ جیسے عظیم سائنسدان اس ملت کو دیئے۔

یہ عظیم سائنسدان طبیب ، انجینئر ، ڈاکٹر مادیت کے دلدادہ نہیں تھے ۔۔۔ یہ کلیسائی نظام تعلیم سے فارغ پڑھے لکھے مہذب ڈاکو نہیں تھے ۔۔۔ یہ علاج کے لئے آنے والوں کے گردے نہیں چراتے تھے ۔۔۔

آج ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی اکثریت کا کیا حال ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ڈاکٹر جمعہ خان سے کون واقف نہیں جس نے پیسے کے بغیر انجان مریض کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور جب اسے پیسے مل گئے تو اس نے دیکھا کہ ہسپتال کے بستر پر کسی انجان مریض کی نہیں اس کے اپنے بیٹے کی لاش تھی۔

عزیزانِ گرامی !

ابن سینا مسلم دنیا کا بڑا سائنسدان اور نامور حکیم تھا جب اسے کوئی مسئلہ سمجھ نہیں آتا تو وضو کرتا اور نماز پڑھتا اور دعا مانگ کر مسئلہ پر غور کرتا تو مسئلہ سمجھ میں آجاتا

ہے۔

اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

اس دوران میں کبھی کسی مشکل مسئلہ کو سمجھنے میں دقت پیش آتی اور وہ کسی طرح حل نہ ہوتا تو میں فوراً وضو کر کے جامع مسجد چلا جاتا اور نماز کے بعد دعا مانگتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی گرہ کھول دیتا تھا۔

(۱۰۰ عظیم مسلم سائنسدان ص ۲۳۵ از ابراہیم عمادی مطبوعہ دارالشعور

لاہور مارچ ۲۰۰۲)

عزیزانِ گرامی!

ہمیں وہ نصاب تعلیم اور نظام تعلیم چاہئے جو اسلامی امنگوں کے مطابق ہو اس پر کسی امریکی، برطانوی کسی صلیبی کی اجارہ داری نہ ہو ہمیں کوئی ڈکٹیٹ نہ کرے کہ نصاب سے یہ آیت نکال دو یہ ڈال دو تمہارا نصاب یوں ہونا چاہئے اور تمہارے یہاں یہ نظام تعلیم ہونا چاہئے۔

اور اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو صورتحال یوں ہوگی۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اُسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے ایک ڈھیر

دینی مدارس

یہ دینی مدارس ہی تھے جو استعمار کی راہ میں ایک پتھر تھے یہ ایک ایسی چٹان کی مانند اس محاذ پر ڈٹے رہے کہ ہر طوفان کا زور ٹوٹ گیا۔۔۔ آندھیوں کے جھکڑ اس سے ٹکرا کر اپنی شکست کا ماتم کرتے رہے۔۔۔ بدعقیدگی اور گمراہی کے لشکر اس چٹان سے سر پھوڑ کر رہ گئے۔۔۔

استعمار کے سارے عزائم اس چٹان نے پارہ پارہ کر ڈالے۔ لہذا یہ چٹان استعمار کی

آنکھوں میں کھٹکنے لگی اور کیوں نہ کھٹکتی یہی وہ مدارس تھے جنہوں نے فارابی، بوعلی سینا ،خوارزمی، جابر بن حیان جیسے نامور اہل علم پیدا کئے لہذا انگریزوں نے سب سے پہلے اس نظام تعلیم پر شب خون مارااور لارڈ میکالے کا کالا نظام تعلیم رائج کیا جس کے اثرات ہم پچھلے صفحات پر بیان کر چکے۔

ہندوستان میں دینی مدارس کو حکومتی امداد بند کردی گئی ۔۔۔حکومتی امداد نصاب تعلیم میں (انگریزی) تغیر سے مشروط کردی گئی اوران گنت مدارس کو حکومتی تحویل میں لے کر وہاں دینی تعلیم کے چشموں کو بند کر دیا۔ لہذا اسلامی تہذیب وثقافت کو بچانے کے لئے ۔۔۔اسلامی نظام تعلیم کو برقرار رکھنے کے لئے اور دینی تعلیم سے عشق رسول ﷺ کی روح نکلنے نہ پائے مسلمان علماء نے دینی مدارس اپنی مدد آپ کے تحت برقرار رکھے۔ انہوں نے سوکھی روٹی اور دال کھانا تو گوارا کر لی مگر دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی شرط کے ساتھ نصاب میں صلیبی تبدیلی گوارا نہ کی۔

حکیم احمد شجاع مرحوم کا خیال یہ تھا کہ مدارس میں علوم عصریہ بھی پڑھائے جائیں یہ تجویز انہوں نے علامہ اقبال کو لکھی تو انہوں نے جواب دیا کہ

ان مدارس کو اسی حالت میں رہنے دو اگر یہ ملا نہ رہے تو ہندوستانی مسلمانوں کا وہی حال ہوگا جو اندلس میں آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود وہاں کے مسلمانوں کا ہوا۔

(الفرقان لکھنو نومبر دسمبر ۱۹۹۴ص ۲۳)

عزیزانِ گرامی! دینی مدارس نے کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا تعلق اسلام سے جوڑ کر

رکھا اور اہل صلیب اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جب تک دینی مدارس کا مکمل خاتمہ نہ ہو جائے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے لہذا انہوں نے دینی مدارس پر درج ذیل الزامات عائد کئے۔

۱۔دینی مدارس فرقہ واریت کے نقیب۔

۲۔دہشت گردی کے مراکز۔

۳۔پسماندگی۔

۴۔دنیاوی تعلیم سے بے بہرہ۔

۵۔چندے پر پلنے والا۔

ان الزامات کا حقیقت سے کیا تعلق ہے اس کو تو ہم ابھی بیان کریں گے مگر ایک سوال یہ ہے کہ یہ الزامات دینی مدارس پر لگائے کیوں گئے؟

اس لئے تا کہ لوگ دینی مدارس سے متنفر ہو جائیں۔تا کہ اسلام پسند عناصر عام لوگو لوگوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

عزیزانِ گرامی!

چار پانچ سال قبل امریکہ کی قومی سلامتی کونسل نے ایک خفیہ مسلمان مخالف منصوبے میں اس عزم کا اظہار کیا ہے۔

> تعلیم اور ابلاغ کے ذریعوں سے اسلام پسند عناصر کو عوام پر اثر انداز ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دینی چاہیے صرف یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے اسلام پسند عناصر کو عامۃ الناس پر اثر انداز ہونے سے روکا جا سکتا

ہے۔(ہفت روز تکبیر ۱۰ نومبر ۱۹۹۴)

دینی مدارس کے خوف نے استعماری ایجنٹوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

ایک جرمن ہفت روز ڈیٹ سائٹ نے پاکستانی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

۔

> یوں لگتا ہے کہ محض لوگوں پر اسلام پسندوں کا جادو چلنے لگا ہے اور یہ احساس عام ہے کہ کمیونزم کے زوال کے بعد مغرب نے اپنی نفرتوں کا رخ سلام کی طرف موڑ دیا ہے اور اس نے لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو اپنے مذہب کا دفع کرنے پر مجبور کر دیا ہے اس کا نتیجہ مختصر عرصہ میں زمین سے اگنے والی کھمبیوں کی طرح عربی مدارس کا وجود ہے حکومتی حلقوں نے اپنی بیخ کنی کا سامان خود ہی ان مدرسوں کو فراہم کر دیا ہے۔
>
> (روزنامہ نوائے وقت ۱۳ مارچ ۱۹۹۶)

عزیزانِ گرامی!

اب ہم ان الزامات کا جائزہ لیتے ہیں جو پوری شدت سے ان دینی مدارس پر لگایا جاتا ہے اور ایک منظم انداز میں دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

فرقہ واریت

سب سے بڑا الزام جو دینی مدارس پر عائد کیا جاتا ہے وہ ہے ''فرقہ واریت کے نقیب'' یہ دینی مدارس فرقہ واریت کو فروغ دے رہے ہیں لہذا انہیں بند کر دینا چاہئے اور انہیں حکومتی کنٹرول میں لیا جائے (تاکہ من پسند صلیبی نصاب تعلیم کے ذریعے

اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی تعلیمات کو قلم کی صلیبی تلوار سے ذبح کیا جا سکے)

اے اہل حق کے نقیبو!

اے انصاف پسند مفکرو!

اور اے عدل کی مسند پر تشریف فرما ہونے والے دانشورو!

اس حقیقت سے تو کوئی بھی ذی عقل وذی شعور انکار کر کے انصاف کا خون نہیں کر سکتا کہ درس گاہ صفہ سے لے کر انگریزوں کے دور تک کی تاریخ گواہ ہے کہ

دینی مدارس فرقہ واریت سے ہر طرح پاک رہے ہیں۔اور جو آج (چند) مدارس کو فرقہ واریت کے زہر سے آلودہ کرنے کا ناپاک صلیبی کارنامہ انجام دیا گیا۔وہ بھی انہیں فکری اغواء گروں نے ہی انجام دیا۔

ہم نے اپنے رسالے'' آزادی اظہار رائے یا صلیبی دہشت گردی'' میں نواب راحت خاں چھتاری کے حوالے سے ایک برطانوی یونیورسٹی''جنگل کی حویلی'' کا مفصل واقعہ لکھا تھا جہاں یہودی اور عیسائی مبلغین کو جملہ اسلامی علوم کی تعلیم دے کر مسلمان ملکوں میں اس مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ وہاں کے دینی مدارس میں فرقہ واریت پھیلائیں۔

چند ایک اور حوالے آپ کی خدمت میں پیش کرتا چلوں۔اور واضح بھی کر دوں یہ حوالے کسی مولوی صاحب یا کسی مدرسے کے طالبِ علم نے اپنی کتاب میں درج نہیں کئے۔ بلکہ سر سید احمد خاں کے پیروکار جدیدیت کے نقیب اور پرویزی فکر سے آراستہ ڈاکٹر شبیر احمد صاحب کے ہیں لکھتے ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ کے زوال کا زمانہ ہے اس زوال کو سنبھلنے کا موقع نہ دینے بلکہ تیز تر کرنے میں برطانوی حکومت نے جو گھناؤنا کردار ادا کیا اس داستان کا خلاصہ ہم سے کم اور آرتھر ہمفر سے زیادہ سنئے۔

ہمفر کہہ گیا ہے کہ مجھ جیسے سینکڑوں ہمفر بلکہ ہزاروں ہمفر عالم اسلام میں ہمیشہ بروئے کار رہیں گے۔

پہلے دیکھتے ہیں لندن کی ایک خفیہ عمارت۔عراق میں ایک جاسوسی مشن سے واپسی پر ہمفر ہمیں ایک عجیب منظر دکھا رہا ہے یہ عمارت برطانوی نوآبادیوں کی وزارت کا مرکز ہے یعنی ''منسٹری آف کالونیز'' انتہائی وسیع وعریض عمارت کے اندر بل کھاتی راہ داریوں سے گزر کر ہم ایک بہت بڑے ہال میں پہنچتے ہیں۔سیاہ رنگ کی چمکتی ہوئی بڑی سی گول میز کے گرد دس افراد بیٹھے ہیں۔پہلا فرد کون ہے؟ خلافت عثمانیہ کے مسلم تاجدار کے بہروپ میں ایک انگریز! یہ شخص انگریزی کے علاوہ ترکی اتنی روانی اور خوبی کے ساتھ بولتا ہے اور لباس اور وضع قطع سے خلیفہ اسلام کے اتنا مشابہ ہے کہ قریبی جاننے والے بھی دھوکہ کھا جائیں۔دوسرے صاحب استنبول کے شیخ الاسلام کا چغہ اور داڑھی سجائے بیٹھے ہیں تیسرے صاحب ہوبہو شاہ ایران نظر آتے ہیں ۔چوتھے ایران کے وزیر داخلہ ہیں ۔پانچویں نجف کے شیعہ آیت اللہ۔آخرالذکر تینوں افراد انگریزی کے

ساتھ ساتھ فارسی میں رواں ہیں۔ان پانچوں افراد کے ساتھ ایک ایک فوجی کلرک بھی بیٹھا تھا جو انگریز جاسوسوں کی حاصل کردہ معلومات ان پانچوں افراد کو پہنچا رہا تھا۔ ہمفر کہتا ہے کہ ان پراسرار لوگوں کی تربیت اس خوبی سے کی گئی ہے کہ نہ صرف ان کی چال ڈھال بلکہ سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ بھی اپنے اصل کردار جیسا ہو گیا ہے ہم استنبول، تہران اور نجف سے معلومات لا کر فراہم کرتے رہتے ہیں جو شخص سلطان کا بہروپیا ہے اس سے کوئی سوال کیا جائے تو عموماً وہی جواب ملے گا جو سلطان سے حاصل ہوگا مثال کے طور پر جو صاحب نجف کے آیت اللہ کا ڈپلی کیٹ بنے بیٹھے تھے ان سے پوچھا گیا۔ یا شیخ! کیا ہمارے لئے حکومت عثمانیہ سے جنگ کرنا جائز ہے؟ کیونکہ وہ سنی بھی ہیں اور انتہا پسند بھی! بہروپیے شیخ بولے نہیں! صرف سنی ہونے کی وجہ سے ہم ان کے خلاف جنگ نہیں چھیڑ سکتے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ہاں اگر وہ ظلم وستم کی روش اپنائیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کے بعد ہم قوت استعمال کر سکتے ہیں۔

صاحبو! ہمفر لکھتا ہے کہ بالکل یہی سوال اس نے نجف میں اصل شیعہ عالم سے کیا تھا۔ ہمفر لکھتا ہے میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بہروپیے شیخ کا نہ صرف طرز گفتگو ویسا تھا بلکہ جواب بھی تقریباً لفظ بہ لفظ وہی تھا! یہ پانچ بہروپیے اپنے رول میں کمال کی حد تک پہنچے ہوئے تھے اور اس

طرح کے ماڈلز کا مقصد یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی منصوبہ سازی اور طرز فکر کو بروقت نہیں وقت سے پہلے بھانپ لیں مجھے پورا یقین ہے کہ ہماری حکومت ایک صدی کے اندر خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹ دے گی پھر اس وسیع سلطنت کے حاکم ہم ہی ہوں گے۔

ہمارے دور اندیش رہنماؤں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ۱۹ ویں صدی کے ختم ہونے پر یعنی ۱۸۹۹ء تک دنیا میں نہ اسلام باقی رہے گا اور نہ مسلمان (ہمفر صاحب سوری ویری سوری) اس غرض سے ہم نے دنیا کے کونے کونے میں اپنے جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں۔ نہ صرف مقامی لیڈروں میں بہت سے ہم نے خرید رکھے ہیں بلکہ ان گنت علماء ہمارے تنخواہ دار ہیں برطانیہ میں تربیت یافتہ ہر رنگ ونسل کے افراد کو ہم نے مذہب اسلام کی تعلیم دے کر جا بجا مسجدوں میں چھوڑ رکھا ہے ہم نے کافر مسلمانوں سے اسپین کی حکومت واپس چھینی تھی تو شراب اور عورت کے ذریعے۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے یہ حربہ ہم آئندہ ڈیڑھ سو برس میں استعمال کریں گے۔

(اسلام کے مجرم صفحہ ۹۸،۹۷ از ڈاکٹر شبیر احمد مطبوعہ گاسکی پبلی کیشنز فلوریڈا امریکہ)

اس کے بعد نواب راحت خاں چھتاری کا واقعہ جو ہم نے اپنی کتاب ''آزادی اظہار رائے یا صلیبی دہشت گردی''، میں نقل کیا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ ۱۹۷۹ کا واقعہ ہے ان دنوں میں کویت کی ایک کمپنی میں مندوب علاقات العامہ (پبلک ریلیشن آفیسر) تھا ہماری کمپنی کے ڈائریکٹر نے سری لنکا سے گھر کے کام کاج کے لئے خادمہ منگائی تھی۔ دوسرے دن مجھ سے کہا اس خادمہ کو واپس بھیج دو وہ ہمارے کسی کام کی نہیں کیونکہ نہ عربی جانتی ہے نہ انگریزی۔ میں اس کے ڈاکومنٹ لے کر منطقہ دبلو ماسیہ گیا تو پتہ چلا کہ فی الحال سری لنکن ایمبیسی نہیں ہے البتہ برٹش کونسل سری لنکن باشندوں کو ڈیل کرتا ہے۔

برٹش کونسل میں استقبالیہ نے میرا کارڈ دیکھا تو مسٹر ولسن سے ملایا وہ بڑے تپاک سے ملے بٹھایا جب اس نے اندازہ لگایا کہ میں انڈین یا پاکستانی ہوں تو اردو میں کہا میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میں نے سری لنکن خادمہ کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا کوئی پرابلم نہیں اسے ہم رکھ لیں گے آپ کا جو کچھ خرچہ آیا وہ ہم ادا کر دیں گے۔ یہ بتاؤ کہاں کے رہنے والے ہوں؟ میں نے کہا پاکستان کا، کہا بہت بڑا ملک ہے۔ میں نے کہا پشاور کا رہنے والا ہوں پشتو میں کہا ''لویہ ضلع دہ'' (بڑا ضلع ہے) میں نے بتایا نوشہرہ، کہا بڑی تحصیل ہے گاؤں کون سا ہے؟ جب میں نے گاؤں کا نام بتایا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ پھر ایک ایک کا پوچھنے لگا، میں نے بتایا کون مر گیا ہے اور کون زندہ ہے۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے یہ نوشہرہ چھاؤنی میں میں انڈین آرمی میں رہا ہو

یارسالنپور میں اس لئے ہمارے گاؤں والوں کو جانتا ہے جو اکثر چھاؤنی میں لازمت کرتے رہے ہیں لیکن اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔

مگر اس نے کچھ اور کہانی سنائی۔ پہلے اس نے کافی منگائی انٹر کام پر ریسیپشن سے کہا کہ میرے پاس کسی کومت بھیجنا وہ اتنا خوش تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتا کافی کے دوران اس نے بتایا کہ میں آپ کے گاؤں کے محلہ عیسیٰ خیل میں چار سال تک پیش امام رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ کہا میں نے چار سال تک آپ کے گاؤں کا نمک کھایا ہے آپ کے گاؤں والوں نے مجھے بڑی عزت دی ہے۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا میں عیسائی ہوں یعنی اہل کتاب۔

پھر میرا اس کا آنا جانا رہا وہ مجھے بالکل اپنا ہم وطن سمجھتا رہا وہ تقریباً میرا ہم عمر تھا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاں پاکستان بننے کے بعد رہا تھا ایک دن میں نے پوچھا کہ آپ پٹھانوں کا کھانا کیسے کھاتے رہے؟ کہا آپ لوگوں کا کھانا اتنا مزیدار ہوتا ہے کہ میں یہاں کویت میں بھی گھر جاتے ہوئے ایرانی تندور سے روٹی لے کر موٹر میں روکھی کھاتا رہتا ہوں۔

جب میں کویت سے آرہا تھا تو میں نے اسے وہی سوال پوچھا جسے وہ ہمیشہ ٹالتا رہا تھا۔ میں نے کہا اب تو بتادو کہ آپ کرسچن ہوکر پٹھانوں کے گاؤں میں روکھی سوکھی کھاتے رہے اور پیش امام کی خدمات انجام دیتے

رہے آخر کیوں؟

کافی دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکتا رہا کہا اپنے ملک کے مفادات کی خاطر بعض اوقات بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور جوانی ہوتی ہی ایڈونچر پسند ہمارے ہاں لندن کے مضافات میں ایک مرکز ہے جہاں شکل وشباہت دیکھ کر ہمیں بیرونی مذاہب اور زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ہمیں بھیجا جاتا ہے۔ میری ماں اٹالین تھی اس لئے میرے بال کالے ہیں مجھے آپ کے ہاں بھیجا گیا تھا۔ بہر حال یہ قصہ پارینا ہے اب اس قسم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ شاید آپ کو علم نہ ہو افغانستان کا ملآ اشور بازار بھی اسی مرکز کا پروردہ تھا۔

گاؤں آ کر میں نے محلہ عیسیٰ خَل کے بزرگوں کو یہ واقعہ سنایا تو طالب گل نے کہا کہ مجھے شک پڑا تھا مگر سب ہی کہہ رہے تھے کہ چترالی ہے (یہاں اکثر چترالی مولوی پیش امام ہوتے ہیں اور وہ گورے بھی ہیں بالکل انگریزوں کی طرح) طالب گل نے کہا چلو بھائی اب چار سال کی نمازیں لوٹائیں جو ہم نے انگریز کے پیچھے پڑھی ہیں، خانہ خراب ہو اس کا۔

جب میں نے جنگل کی حویلی کا واقعہ پڑھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ مسٹر ولسن ضرور جنگل کی حویلی کے پروردہ تھے۔

(اسلام کے مجرم صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۸)

مزید آگے ۱۹٦۵ پاکستان اور بھارت کی جنگ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

دوران جنگ ایک رات مارکیٹ میں شور شرابا ہوا کچھ لوگ جن میں نوجوان زیادہ تھے ایک شخص کو گھیرے ہوئے تھے اور مار پیٹ رہے تھے۔ بلیک آؤٹ تھا، کچھ صاف نظر نہ آتا تھا میں بھی گیا تو پتہ چلا کہ ایک شخص جو پکڑا ہوا ہے وہ صفورا گوٹھ کی ایک چھوٹی سی مسجد کا پیش امام ہے اور بلا معاوضہ امامت کے فرائض انجام دیتا ہے لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کو بلیک آؤٹ میں ٹارچ سے سگنلنگ کرتے ہوئے پکڑا ہے۔ اس ہنگامہ میں بی ڈی چیئرمین ایس بی علی کو بلایا گیا اور مشورہ کر کے چند آدمی اسے پولیس اسٹیشن لے گئے جب وہاں پوچھ گچھ ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ امام صاحب ہندو ہیں بھارت میں آگرہ کے قریب کسی اسکول میں ان کو نہ صرف مولوی کی تربیت دی گئی ہے بلکہ باقاعدہ ختنہ کرا کے مسلمان نام عبداللہ رکھ کر یہاں بھیجا گیا ہے۔ جب کہ اس کا ماہانہ تنخواہ ڈیری فارم کا اکاؤنٹ آفیسر دیتا ہے جو ہندو تھا۔ اس کے بعد پولیس نے ڈیری فارم سے اکاؤنٹ آفیسر کو بھی گرفتار کیا ار ضابطے کی کاروائی شروع کر دی۔ (اکاؤنٹ آفیسر بھی ہندو تھا)

اس طرح کے بہت سے تخریب کار۔ کراچی میں اہم نوعیت اور دفاعی اہمیت کے مقامات کے نزدیک متعین ہیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر تخریبی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔ کراچی کے قرب وجوار میں جگہ جگہ چھوٹی

چھوٹی مساجد عام طور پر ان بھارتی جاسوسوں کا مرکز بنی ہوئی ہیں ۔ کہیں یہ مزاروں پر کہیں خانقاہوں پر بھیس بدل کر جاسوسی کر رہے ہیں ۔

اسی طرح کراچی نارتھ ناظم آباد میں سیفی پولی ٹیکنیک کا ایک ہندو انسٹرکٹر جس کا تعلق لاڑکانہ سے تھا، اور نام زری چند تھا۔ اس کے تعلقات سیاسی قسم کے لوگوں اور طلباء تنظیموں سے بڑے خوشگوار اور استوار تھے گذشتہ دس سال قبل کی ہنگامہ آرائیوں کے دوران کچھ سیاسی لیڈر اس کے گھر بھی آتے جاتے تھے ۔ وہ اچانک کراچی سے غائب ہو گیا اور پتہ چل نہ سکا کہ کہاں گیا؟ اس کے غائب ہوتے ہی وہ علاقہ پر امن ہو گیا!

(اسلام کے مجرم صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲)

عزیزانِ گرامی!

میں نے یہ حوالہ جات ڈاکٹر عبدالرشید احمد کی کتاب سے صرف اس لئے نقل کئے ہیں تا کہ روشن خیال اور جدیدیت کے علمبرداروں کو یہ سمجھ آجائے کہ فرقہ واریت میں دینی مدارس نہیں بلکہ یہ اسلام دشمن عناصر ہیں جنہوں نے مغربی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی یہ تخریب کار ہندو، عیسائی ، یہودی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا روپ دھا رکر اس آگ کو لگایا اور اقتدار کی ہوس میں مبتلاء ہو کر چند مفاد پرست سیاستدانوں نے اس کو ہوا دی اور اپنا الو سیدھا کیا۔

دہشت گردی

دینی مدارس پر دوسرا بڑا الزام دہشت گردی کا لگایا گیا ۔۔۔ یہ اجڈ، جاہل ، گنوار

تہذیب کے دشمن انتہائی سفاک ہیں، دہشت گرد ہیں۔

دہشت گردی کا مفہوم کیا ہے؟اس کی تعریف کیا ہے؟ یہ آج تک تعین نہیں کیا جاسکا۔ یہ الزام صرف مسلمانوں اور اسلام پسندوں پر ہی کیوں عائد کیا جاتا ہے۔

سوچیے!

۶۱ سال سے جدوجہد میں مصروف کشمیری تو دہشت گرد ہیں جبکہ انڈونیشیاء کے مشرقی تیمور میں حق خودداریت کے لئے لڑنے والے عیسائی حریت پسند ہیں لہذا عالمی سطح پر ان کی پرزور حمایت کے نتیجے میں انہیں محدود عرصے کی جدوجہد کے بعد آزادی مل چکی ہے۔

سوچیے! آخر تضاد کیوں!

اسی طرح فلسطین، فلپائن، بوسینا وغیرہ کے مظلوم مسلمان ان کے خیال میں دہشت گرد ،ان کی جدوجہد ناجائز جبکہ ان پر لرزہ خیز مظالم ڈھانے والے سفاکی و بربریت کی نئی تاریخ رقم کرنے والی اسرائیلی، برنی فلپائن حکومت اور سرب وغیرہ اپنے سفاک کارناموں کے باوجود نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ ہی ان کی سرگرمیاں ناجائز ہیں۔

افغانستان اور عراق میں لاکھوں ٹن بارود برسانے والے امن کے پیامبر اور اپنی دفاعی جنگ لڑنے والے اہل عراق اور افغانستان دہشت گرد۔

کل تک امریکہ بہادر کے نزدیک طالبان، مجاہد تھے اور آج دہشت گرد یہ تضاد کیوں؟

(اس وقت میرا عنوان یہ نہیں صرف تضاد بیان کرنا مقصود ہے)

بات صرف اتنی ہے کہ دینی مدارس نے آج اس دور میں جب ہر طرف کفر والحاد کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ایمان کے چراغ جلا رکھے ہیں۔

مسلمانوں میں دینی شعور بیدار رکھنے والی یہ شمعیں ان کے سیاہ ارادوں کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔اس لئے یہ اس طرح کے پروپیگنڈے کے ذریعے دینی مدارس کا استیصال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دنیا بھر کی کلیسائی جامعات اور اسکول میں دہشت گردی کے کس طرح کے مناظر منظر عام پر آتے ہیں صرف چند جھلکیاں ملاحظہ کیجئے۔

> امریکہ کے ۲۷۰۰۰ طالب علم روزانہ اپنے ساتھ اسکول جاتے ہوئے پستول اور دوسری قسم کا اسلحہ رکھتے ہیں۔(نوائے وقت، ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۳ئ)

امریکہ میں ۳۸٪ جرائم ٹین ایجر ہوتے ہیں۔

۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۱ء تک امریکی بچوں نے ۴۰ ہزار قتل کئے۔

لندن کے اخبار ڈیلی ایکسپریس کے مطابق برطانوی اسکولوں میں طلبہ تشدد، غنڈہ گردی اور شراب سمیت ہر نشہ کرتے ہیں۔ہر تیسرا استاد اپنے شاگردوں کے تشدد کا نشانہ بنتا ہے۔اسکولوں میں بڑھتے ہوئے تشدد اور بے راہ روی سے برطانوی شہریوں کو ہر سال پانچ کروڑ تیس لاکھ پونڈ زائد ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔

> برمنگھم کی عدالت میں مبینہ طور پر ۲۰۰ سے زائد جرائم کا ذمہ دار ۱۳ سالہ لڑکا پیش کیا گیا۔(جنگ لندن ۱۹، ستمبر ۱۹۹۳ئ)

کاٹ لینڈ میں ایک چوتھائی اساتذہ طلبہ کے تشدد کا نشانہ بنتے ہیں، ایک سروے میں پتہ چلا کہ ایسے کچھ ایک سال گزرنے کے بعد بھی زیر علاج ہیں۔ جرمنی میں ایک تہائی طلبہ مسلح ہو کر تعلیم گاہوں میں آتے ہیں۔ برلن پولیس کے مطابق شہر میں ہونے والے ۵۴٪ جرائم ۱۳ سال سے بھی کم عمر کے بچے کرتے ہیں۔

(مسلمانوں کا فکری اغواء صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵)

عزیزانِ گرامی! ذرا سوچئے!

کیا یہ تمام بچے دینی مدارس کے طلباء ہیں؟

کیا ان کی تربیت دینی مدارس میں ہوئی ہے؟

کیا ان کو اسلحہ دینی جماعتوں نے فراہم کیا تھا؟

اگر نہیں۔ تو پھر ان میں دہشت گردی کہاں سے آ گئی؟

اس کو دہشت گرد کس نے بنایا؟

اے سفا کی علمبردارو!

کیا تم کوئی بھی ایک مثال مسلمان ملک کے کسی دینی مدرسہ کی دے سکتے ہو کہ جہاں طلبہ ایسے جرائم کرتے ہوں نہیں تم کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے لہذا دہشت گردی کے مراکز دینی مدارس نہیں کلیسائی نظامِ تعلیم پر محیط اسکول و کالج ہیں۔

دور نہیں جائیے۔

پاکستان کی جامعات کا حال ہی دیکھ لیجئے ہر دوسرے روز طلبہ تنظیموں میں جھگڑے

کے بعد تدریسی عمل معطل ہو گیا۔

چند دن قبل ہی جامعہ کراچی میں ہفتہ طلبہ کے انعقاد کے بعد دو طلبہ تنظیمیں جھگڑ پڑیں اور اسٹوڈینٹ ایڈوائزر نصرت ادریس نے ہفتہ طلبہ منسوخ کر دیا۔

دوستو!

اگر دہشت گردی دینی مدارس ہی کا خاصہ ہے تو پھر کالجوں، یونیورسٹیوں میں طلبہ تنظیموں کے جھگڑے، قتل، اساتذہ پر تشدد اور دیگر وارداتوں کا ذمہ دار کون ہے؟

آیئے انتہا پسندوں کا ایک اور رخ آپ کو دکھاتا چلوں کیرن آرم اسٹرانگ اپنی کتاب مقدس جنگ میں لکھتی ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے، میں یروشلم میں ایک ٹیلی ویژن سیریز کی شوٹنگ کر رہی تھی۔ بیت المقدس کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ یہ اس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں ۶۳۷ء میں یروشلم فتح کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی تھی۔ یاد رہے انہوں نے یونانی پادری کے دعوت دینے کے باوجود گرجا بھر میں نماز ادا نہیں کی تھی بلکہ باہر جا کر مذکورہ مقام پر نماز ادا کی تھی۔ شوٹنگ کے دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ مسجد سے مؤذن کے اذان دینے کی آواز سنائی دینے لگی۔ مجھے تو اذان سن کر وجد سا آنے لگا تھا لیکن میرے عملے کے یہودی اراکین، جو چند لمحے پہلے تک بڑا منطقی طرز عمل اپنائے ہوئے تھے، یکدم غیر منطقی حرکتیں کرنے لگے، انہوں نے مسجد کی طرف رخ کر کے بے ہودہ

اشارے کئے،اذان کا مذاق اڑایا اور ان کے چہروں سے سخت برہمی عیاں ہوگئی۔

(مقدس جنگ ص ۲۵۸ از کیرن آرم سٹرانگ اردو ترجمہ محمد احسن بٹ مطبوعہ نا گارشات پبلیشرز لاہور ۲۰۰۶)

اب آپ ہی بتائیے کیا یہ یہودی بھی دینی مدارس کے تعلیم یافتہ تھے؟

کیا ان کو بھی دینی مدارس نے انتہا پسند بنایا تھا؟

یہ تو دنیا دار قسم کے یہودی تھے جو کسی T.V کے لئے کام کر رہے تھے جب ان کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے تو یہودیوں کے مذہبی جنونیوں کا کیا ہوتا ہوگا یہ سمجھنا مشکل نہیں۔

یہودی دانشور اسرائیل شحاک اپنی

کتاب JEWISH,FUNDAMENTALISM IN ISRAEL میں

لکھتا ہے۔

۲۵ نومبر ۱۹۹۴ کو ہیبروں میں باروک گولڈن سٹائن نے خون کی ہولی کھیلی جس کی کہانی بڑی مشہور ہے گولڈ سٹائن نے ایک مسجد میں داخل ہوکر نمازیوں پر پیچھے سے فائرنگ کی جس کی وجہ سے بچوں سمیت ۱۲۹ افراد ہلاک اور بے شمار لوگ زخمی ہوگئے تھے۔(صفحہ ۱۲۹)

یہی دانشور مزید آگے لکھتا ہے۔

قتل عام کے بعد دو ہی دن کے اندر یروشلم اور دیگر مذہبی علاقوں کی دیواریں ایسے پوسٹروں سے بھر گئیں جن میں گولڈسٹائن کے کارنامے کو

سراہا گیا تھا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا گیا تھا کہ وہ زیادہ عربوں کو قتل نہیں کر سکا قتل عام کے مہینوں بعد تک یروشلم میں مظاہرے کرنے والے مذہبی آباد کاروں کے بچے ایسے پوسٹر لہراتے تھے جس پر لکھا ہوتا تھا ''ڈاکٹر گولڈ سٹائن نے اسرائیل کے تمام امراض کا علاج کر دیا ہے'' اسرائیلی مذہبی موسیقی کی اکثر محفلیں اور دیگر محفلیں گولڈ سٹائن کو سراہنے کی تقریبات میں بدل جاتی تھیں عبرانی پریس نے عوامی ستائش کی ان تقریبات کی تفصیلی خبریں شائع کیں کسی بڑے سیاستدان نے ان پر احتجاج نہیں کیا تھا۔

(اسرائیل میں یہود بنیاد پرستی صفحہ ۱۳۴ از اسرائیل شحاک، نارٹن میزونسکی مترجم محمد احسن بٹ مطبوعہ جمہوری پبلی کیشنز لاہور اگست ۲۰۰۴)

عزیزانِ گرامی!

کیا یہ ڈاکٹر گولڈ سٹائن بھی کسی دینی مدرسہ کا طالب علم تھا؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ان جدیدیت پسند سکالرز کو۔۔۔ان زرد صحافت کے نقیبوں کو یہ انتہا پسند اور دہشت گرد نظر کیوں نہیں آتے؟

ان کی حقیقت کو لوگوں کے سامنے کیوں نہیں آشکارا کیا جاتا؟

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

پسماندگی

ایک اور بڑا الزام پسماندگی کا ہے یہ مدارس کے طلبہ ترقی کے دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

سابق گورنر پنجاب میاں اظہر فرماتے ہیں۔

آپ لوگ مدرسوں مُلاّ پیدا کر رہے ہیں جو چندے کی پیداوار ہیں ان کی زندگی مسجد اور حجرے تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ انہیں کیمپ جیل بھیج دیں۔آپ معصوم بچے کے ہاتھ میں لوٹا پکڑا دیتے ہیں اور اس کی شلوار ٹخنوں سے اوپر کر کے اس کے دروازے دیگر علوم کے لئے بند کر دیتے ہیں۔یہ انصاف نہیں ظلم ہے گورنر نے انہیں تلقین کی کہ آپ انہیں جدید علوم پڑھائیں، کمپیوٹر کی تعلیم دیں آپ نے مدرسوں کو جیل خانہ بنا دیا ہے۔جب کہ عیسائی ایک بچے کو جھونپڑی سے اٹھا کر سکالر بنا دیتے ہیں ۔آپ بھی انہیں جدید تعلیم دیں تا کہ سترہویں، اٹھارویں گریڈ کے آفیسر پیدا ہوں۔دینی تعلیم کے حصول سے گورنر صاحب نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ پتہ نہیں آگے جنت بھی ملتی ہے یا نہیں۔

(مسلمانوں کا فکری اغواء ص ۷ ۱۲ بحوالہ روزنامہ جنگ ۲۸ ۱ اگست ۱۹۹۲)

بالکل تعلیم دی جانی چاہئے گورنر صاحب!

مگر یہ تو بتایئے اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کی طرح کبھی آپ نے انہیں فنڈز فراہم

کئے؟

کبھی آپ نے ان کو کتابیں اور میز کرسیاں فراہم کیں؟

کیا جدید تعلیم سے نونہالان ملت کو آراستہ کرنے کے لئے آپ نے مدارس کو کمپیوٹر گفٹ کئے؟

نہیں! کبھی نہیں۔

پھر آپ ہی بتایئے آپ کا اس جرم میں کتنا حصہ ہے؟

عزیزانِ گرامی!

یہ پروپیگنڈہ کہ مدارس کے طلبہ پسماندہ ہیں دوعملی کا شاہکار رہے۔

ذرا سوچئے!

دینی مدارس اور علماء کا استیصال کس نے کیا؟

دینی طلبہ پر ملازمتوں کے دروازے کس نے بند کئے؟

کیا دینی مدرسہ کا طالبِ علم داڑھی اور ٹوپی کے ساتھ کسی ٹی وی پر نیوز اینکر یا ہوسٹ نہیں بن سکتا؟

سوچئے کس نے انہیں فنڈز سے محروم کیا؟

نتیجتاً جب وہ کئی آزمائشوں کا شکار ہو گئے تو ان پر طلبہ کو پسماندہ رکھنے کا الزام عائد کر دیا گیا۔

اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ دینی مدارس کی ایک محدود تعداد میں تہذیب و آداب کا فقدان ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟

انہیں معاشرے سے علیحدہ کرنے کا ناپاک کارنامہ کس نے اور کیوں انجام دیا؟
گذشتہ سطور میں ہم اس سوال کا مفصل جواب دے چکے ہیں۔

جدید تعلیم سے بے بہرہ

دینی مدارس پر ایک بڑاالزام یہ بھی ہے کہ ان مدارس سے کوئی انجینئر، ڈاکٹر، سائنسدان نہیں پیدا ہوا۔

پروفیسر علی حسن ظفر اس محاذ پر یوں قلم کی جولانیوں کو پیش کرتے ہیں۔

> بارھویں صدی کے بعد کائنات کا علم مسلمانوں کی دسترس سے بہت دور تھا اب تو مسلمان یہ بھی بھول گئے تھے کہ اس علم کے بانی مسلمان علماء (سائنسی مفکر مثلاً جابر بن حیان، الکندی، الفارابی، بوعلی سینا اور البیرونی جیسے لوگ) ہی ہوئے ہیں اب یہ علم مسلمانوں کے سامنے یہود ونصاریٰ کے ذریعے ہی پہنچ رہا تھا۔ تو ہمارے مولوی نے سمجھا کہ شاید یہ کافروں کا علم ہے۔ حالانکہ یہ علوم قرآنی علوم کا ہی حصہ تھے مگر کیونکہ ہمارا مولوی خود اس حقیقت سے بے خبر تھا اس لئے اس نے سائنسی علوم کو اپنے مدرسوں سے ہی خارج کر دیا۔
>
> (اکیسویں صدی اور ہمارے علماء ص ۱۹۸)

اور کہیں اس الزام کو اس دلیل کے ساتھ یوں دہرایا گیا۔ کہ آج سے ۷۵ سال قبل اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو تیل کی دولت سے نوازا یہ ہمارے زوال کا زمانہ تھا مگر ہماری حالت یہ تھی کہ ہم تیل زمین سے نکالنے کی صلاحیت سے محروم تھے۔۔۔ چشمے

کھودنے کی ٹیکنک سے بے بہرہ تھے ۔۔۔تیل نکال کر اسے ریفائن کرنے کی صلاحیت سے ہم کورے تھے اور تیل کو ریفائن کرنے کے بعد دنیا کی مارکیٹ میں بیچنے کے لئے مارکٹنگ کی صلاحیت بھی ہم میں موجود نہ تھی جس کے لئے ہم نے مجبوراً مغربی ماہرین کو بلایا اور مغربی ماہرین آئے پھر مغربی کمپنیاں آئیں ،ان کے بعد بینک آئے ، پھر سیاست کار آئے اور ان کے ساتھ مغرب کی فوجیں بھی آگئیں جو آج تیل کے چشموں کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھی ہیں ۔اس کے ذمہ دار بھی دینی مدارس ہیں الزامات در الزامات کا یہ سلسلہ رکنے میں نہیں آتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

اے انصاف پسند لوگو!

اے علم و دانش کے رکھوالو!

سوچئے اور بتایئے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں اُمت کی محرومی کا ذمہ دار کون ہے؟ مدارس یا یونیورسٹیز۔۔۔۔۔

حکومت کی امداد پر اربوں کی گرانٹ لینے والی جامعات یا زکوۃ خیرات پر چلنے والے دینی مدارس؟

(اسلامی ممالک کی) یونیورسٹیز سے نکلے ہوئے انجینئر ز ،سائنسدان یا مدارس سے فارغ التحصیل علمائ؟

عزیزانِ گرامی!

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد ہمارا نظام تعلیم واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا

تھا دین اسلام کی حفاظت اور سر بلندی کے لئے اسلامی نظام تعلیم کو انگریزوں کے مکر وگورکھ دھندے سے بچانے کے لئے علماء نے دینی تعلیم علیحدہ دینا شروع کی۔اس کو ہم گزشتہ صفحات پر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اے اہل دانش فکر اپنایئے!

کیا سائنسی علوم میں مہارت مولوی کے فرائض میں شامل ہے۔ہر شخص تو ہر علم میں طاق نہیں ہوسکتا۔

اگر یہی الزام جوابی الزام کی شکل اختیار کرلے اور یوں کہا جائے کہ انجینئر عالم دین کیوں نہیں ہوتا تو ایک محاذ قائم ہو جائے گا کیونکہ دنیا میں کہیں بھی کوئی شخص بیک وقت ایک اچھا اور کامیاب ڈاکٹر ،انجینئر ،عالم ،سائنسدان ،قانون دان، فلسفی نہیں ہوسکتا ۔تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل نہیں کرسکتا۔اور دنیا بھر میں سائنس کے شعبہ میں صرف سائنسدانوں نے ہی کام کیا اب کوئی شخص یہ کہے کہ برطانیہ میں جتنے سائنسدان گزرے ہیں یا موجود ہیں ان میں ایک بھی جسٹس نہیں ہے اس لئے برطانیہ کے ججوں کا سائنسی ترقی میں کوئی کردار نہیں تو آپ ہی بتایئے آپ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

چندہ کا الزام

چندہ لینے کا جرم اتنی شدت سے دینی مدارس پر تھوپا گیا کہ دینی مدارس کی محرابیں شرم سے جھک گئیں اور حیرت اس بات پر ہے کہ فرد جرم عائد کرنے والے وہ ہیں جو سرکاری اسکولوں، انگریزی اسکولوں اور مشنری اداروں کی امداد پر پل رہے ہیں۔

قوم کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والے مغربی ممالک سے امداد کے نام پر چندہ وصول کریں تو محسن اور دینی مدارس کے لوگ چندہ جمع کریں تو مجرم حالانکہ کسی سے نیکی پر تعاون لینا اور دینا شریعت کی نگاہ میں جرم نہ قانون کی نگاہ میں۔